UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی

MAUL-104(II)

Farsi Zaban Aur Adab

(ایم –اے اردو ' سال اول)

چوتھا پرچہ(حصہّ دوم)

فارسی زبان اور ادب

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY,

HYDERABAD

MAUL-104

(ا یم –اے اردو ' سال اول)

چوتھا پرچہ(حصہّ دوم)

فارسی زبان اور ادب

Uttarakhand Open University, Haldwani-263139 (Nainital)

Phone: 05946-261122, 261123 Tool free No. 1800 180 4025

Fax: 05946-264232, E-mail: info@ uou.ac.in,http://uou.ac.in

ایڈمنسٹریٹو و اکیڈمک انتظامیہ

پروفیسر سبھاش دھولیا

وائس چانسلر' اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی 'ہلدوانی ۔

پروفیسر ایچ ۔پی شکلا

ڈائرکٹر'اسکول آف لینگویجز ' اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی 'ہلدوانی ۔

پروفیسر گرجا پانڈے

رجسٹرار ' اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی 'ہلدوانی ۔

ڈاکٹر اختر علی

کورس کو آرڈینیٹر و اکیڈمک ایسوسی ایٹ ' شعبہ اردو

اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی 'ہلدوانی ۔

اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے حاصل اجازت (ایم-او -یو) کے بعد رجسٹرار ' اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی ' ہلدوانی کے ذریعہ ری پرنٹنگ کاپی کی شکل میں شائع کیا گیا۔

اشاعت- جولائی ۲۰۱۳

(BKID-097)

ایم۔اے ' اُردو ' سال اول

فاصلاتی تعلیم

چوتھا پرچہ

(حصہ دوم)

فارسی زبان اور ادب

اکائی 1 تا 12

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد 032 500

مدیر : پروفیسر سیدہ بشیر النسا بیگم

مضمون نگار :

ڈاکٹر رفیق فاطمہ	اکائی.....1 تا 5
ڈاکٹر زیب حیدر	اکائی.....6 تا 10
پروفیسر شریف حسین قاسمی	اکائی.....11 تا 12

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر نکہت جہاں

نظامت فاصلاتی تعلیم

EPABX : 040-23006612-15, Fax : (040) 23006121

ڈائرکٹر

پروفیسر۔ کے آر۔ اقبال احمد — Extn. 305

پروفیسر

ڈاکٹر مظہر الدین فاروقی — Extn. 304

ریڈر

ڈاکٹر پی۔ فضل رحمٰن — Extn.126

اسسٹنٹ ڈائرکٹر

ڈاکٹر علی رضا موسوی — Extn. 121

اسسٹنٹ ڈائرکٹر

جناب شہید خان — Extn.123

لکچرر

ڈاکٹر نکہت جہاں — Extn. 330

اسسٹنٹ رجسٹرار

جناب مہیش کمار ویراگی — Extn. 125

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

طبع 2011

طباعت : EMESCO BOOKS, HYDERABAD – 29.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ کسی بھی انداز میں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

مزید معلومات کے لئے ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی گچی باؤلی، حیدرآباد 500032 سے ربط پیدا کریں۔

فہرست

اکائی نمبر		صفحہ نمبر
اکائی 1	معرفی زبان واسم	7
اکائی 2	ضمیر واقسام ضمیر	13
اکائی 3	فعل واقسامِ فعل بہ لحاظ زمانۂ ماضی	16
اکائی 4	زمانۂ حال ومستقبل اور اضافت	22
اکائی 5	ادبیاتِ فارسی نثر قدیم وجدید	26
اکائی 6	غزل	31
اکائی 7	رباعی	40
اکائی 8	جدید نظم	48
اکائی 9	تاریخ ادبیات دورہ ساسانیاں	56
اکائی 10	سامانی دور کا فارسی ادب	61
اکائی 11	جدید فارسی نثر	67
اکائی 12	جدید فارسی شاعری	76

پیش لفظ

پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت جنوری 1998ء میں مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں اس یونیورسٹی کو روایتی اور فاصلاتی دونوں ہی طریقوں سے تعلیم و تدریس کی سہولتیں فراہم کرنے کا استحقاق بخشا گیا۔ اُردو ذریعہ تعلیم کی ملک کی واحد اور منفرد یونیورسٹی ہونے کے ناطے اُردو یونیورسٹی نے ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تمام تر اُردو آبادی کا احاطہ کرنے اور اس کے فیوض و برکات سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مستفید کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے یونیورسٹی میں فاصلاتی طریقہ تعلیم کو اولیت دی گئی اس لیے کہ اُردو والے ملک کی ہر ریاست میں آباد ہیں اور یونیورسٹی کے ثمرات اُن تک پہنچانے کے لیے فاصلاتی نظام سے زیادہ موثر اور کارگر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ اس نظام تعلیم کی اپنی خصوصیات اور امتیازات ہیں جن میں ایک اہم اور کلیدی نکتہ یہ ہے کہ اس میں ہر کورس کے تمام طالب علموں کو مکمل نصابی مواد فراہم کرنا لازمی ہے۔ گویا کسی کورس کے آغاز سے قبل نصابی کتب کی تصنیف و تالیف اور اشاعت کا کام انجام دینا ہوگا۔ اور جب تمام علوم و مضامین کا نصابی مواد اُردو میں مطلوب ہو تو یہ کام مزید دقت طلب اور دشوار گزار ہو جاتا ہے۔ شروع ہی سے یہ چیلنج اُردو یونیورسٹی کے پیش نظر رہا ہے جس سے نپٹنے کے لیے جولائی 1998ء میں ٹرانسلیشن ڈویژن کی داغ بیل ڈالی گئی۔ بظاہر یہ شعبہ ترجمے کی ذمہ داریوں تک محدود معلوم ہوتا ہے لیکن ٹرانسلیشن ڈویژن کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اپنے نام سے مترشح ہونے والے دائرہ کار سے کافی آگے بڑھ کر کام کرتا رہا ہے۔ بنیادی طور پر یہ شعبہ اُردو یونیورسٹی کے لیے درکار نصابی مواد کی تیاری اور اشاعت کا کام انجام دیتا رہا ہے۔ تعلیمی پروگرام کے فوری آغاز کے لیے ابتدا میں ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کا بی اے اور بی ایس سی کا نصابی مواد مستعار لیا گیا اور جزوی ترمیمات کے بعد شائع کر لیا گیا۔ اس کے بعد تراجم پر توجہ کی گئی اور اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کی بی کام کی 54 کتابوں کو انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا گیا۔ اُردو میں پہلی بار کامرس میں گریجویشن سطح کی نصابی کتابیں تیار ہوسکیں۔ کمپیوٹنگ کورس کی 12 کتابیں بھی انگریزی سے ترجمے کے بعد شائع کی گئیں۔ اس کے علاوہ ٹرانسلیشن ڈویژن نے انگریزی اور ہندی کے ذریعے اہلیت اُردو کے دو سرٹی فکیٹ کورس، فنکشنل انگلش کے ایک سرٹی فکیٹ کورس اور بیچ انگلش کے ایک ڈپلومہ کورس کی کتابیں ماہرین کے مرتبہ نصاب کے مطابق تیار کیں۔ اسی طرح یونیورسٹی اب فاصلاتی تعلیم کے گریجویشن سطح کے نصاب کی تیاری میں بھی مصروف ہے تاکہ اس یونیورسٹی کے طلبہ کی ضروریات کے مطابق عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کتابیں تیار ہوسکیں۔

پوسٹ گریجویشن کی سطح پر فاصلاتی طرز پر اُردو یونیورسٹی میں سب سے پہلے ایم اے اُردو کے آغاز کا فیصلہ کیا گیا جس کے لیے مختلف جامعات کے سنیئر اساتذہ نے نصاب تیار کیا۔ یہ نصاب سال اول اور سال دوم کے آٹھ پرچوں پر مشتمل ہے۔ نصابی کمیٹی کا خیال تھا کہ اُردو زبان پر عبور کے لیے فارسی زبان و ادب سے کسی حد تک واقفیت ضروری ہے۔ نیز قومی یونیورسٹی کے طالب علموں کو قومی زبان سے بھی قریب تر رکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ ایم اے سال اول میں فارسی اور ہندی کا ایک مشترکہ پرچہ شامل کیا گیا ہے۔ اُردو زبان و ادب کی تاریخ، دکنیات، کلاسیکی نثر و نظم، جدید ادب، فکشن، ادبی تحریکات و رجحانات سے متعلق مختلف اہم عنوانات پر ملک کی یونیورسٹیوں سے وابستہ قابل اساتذہ کرام سے اسباق لکھوائے گئے ہیں۔ طالب علموں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ فراہم کردہ نصابی کتابوں کے علاوہ جہاں تک ممکن ہوسکے مشاورتی جماعتوں اور سفارش کردہ کتابوں سے بھی استفادہ کریں گے۔

اگر آپ زیر نظر کتاب میں کوئی غلطی یا کمی محسوس کریں تو ہمیں ضرور مطلع کریں تاکہ ماہرین سے مشورے کے بعد آئندہ اشاعت میں ترمیم کی جاسکے۔

ایل ایم پٹھان

(پروفیسر ایل ایم پٹھان)
وائس چانسلر

اکائی: 1 معرفئ زبان واسم

ساخت

1.1 تمہید

1.2 معرفئ زبان فارسی

1.3 فارسئ باستان

1.4 فارسئ میانہ

1.5 دستورِ زبان فارسی

1.6 خلاصہ

1.7 نمونۂ امتحانی سوالات

1.8 فرہنگ

1.9 سفارش کردہ کتابیں

1.1 تمہید

اکائی نمبر I میں زبان فارسی کی ساخت اور ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔ ہر زبان کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ لہذا اس اکائی میں فارسی زبان کی ابتدا اور اس کے مختلف تحولاتی مدارج کا ذکر کیا گیا ہے یعنی فارسئ باستان۔ فارسئ میانہ اور فارسئ نو۔ علاوہ ازیں ان مختلف خطوں کا ذکر ہے جہاں یہ زبان پھلی پھولی۔

معرفئ زبان فارسی کے بعد دستور زبان فارسی میں اسم اور اقسام اسم کا بیان ہے۔

1.2 معرفئ زبانِ فارسی

فارسی ایک زندہ، توانا اور شیریں زبان ہونے کے علاوہ ایران کی علمی، ادبی اور سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش آج سے ڈھائی ہزار سال قدیم ہے۔ علم زبان کے ماہرین نے کہا ہے کہ وہ آج کی فارسی کی جڑ اور ماں کہلانے کے مترادف ہے۔ یہ زبان ہند آریائی زبانوں کی شاخ مانی جاتی ہے۔

یہ خیال عام ہے کہ ہر زبان نے اپنی مخصوص علامتوں کی بنا پر جداگانہ ترقی کی ہے۔ اور اس کی تین صورتیں ہیں۔ اشاری۔ ملفوظ۔ تحریری۔ تحریر زبان کے ارتقا کا سب سے بلند زینہ ہے۔ زبان، انسان کا ایک قیمتی اثاثہ ہے اور ہر زندہ زبان میں وقت کے ساتھ ساتھ ارتقائی عمل میں تبدیلی ناگزیر ہے اور تبدیلی زبان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ تبدیلی زبان کی اصوات، الفاظ، دستور کی شکلوں، جملوں کی ساخت اور الفاظ کے معنی غرض ہر پہلو میں رونما ہوتی ہے۔

انسانی تمدن کی ابتدا سے بھی پہلے جب کہ انسان آگ کے استعمال سے بھی واقف نہ تھا، اس وقت بھی زبانِ ملفوظ کا وجود تھا۔ زبانِ ملفوظ سے مراد یہ ہے کہ آواز اور اعضا کی حرکات کے وسیلے سے اپنا مدعا ظاہر کرتے تھے۔

تین ہزار سال قبل مسیح میں ایک زندہ قوم کا وجود تھا جو بہترین گفتاری زبان کی حامل تھی۔ اس زبان کو ماہرین لسانیات نے ''ہند آریائی'' کا نام دیا۔ امتدادِ زمانہ کے سبب یہ قوم الگ الگ منطقوں میں پھیل گئی اور رفتہ رفتہ ان کی زبان میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ہند آریائی زبان دو حصوں میں بٹ گئی ایک گروہ جو خود کو (اَری۔Arya) کہتا تھا اور اس نام کا اس سرزمین پر بھی اطلاق ہوا اور ایران کے نام سے شہرت ہوئی۔ جو آریاؤں کی ایک جداگانہ

سرزمین کے معنوں میں معروف ہے۔لفظ آریائی کے معنی ''آزادہ'' و ''پاک نژاد'' کے ہیں۔

دوسرا گروہ جس نے ہند میں بودوباش اختیار کی اس کی زبان سنسکرت کہلائی۔

آریائی قوم نے جو سرزمین ایران میں تھی اس نے تیز رفتار ترقی کی کیونکہ یہ ایک وسیع کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی تھی۔ان کی زبان آغاز سے لے کر آج تک مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی تین مرحلوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

1. فارسیٔ باستان
2. فارسیٔ میانہ
9. فارسیٔ نو

اپنی معلومات کی جانچ:

زبان فارسی کیسی زبان ہے۔اس کی اصلیت اور ماہیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2. زبان کی ترقی کی کتنی صورتیں ہیں؟
3. ''ہند آریائی'' زبان کتنے حصوں میں بٹ گئی؟
4. وہ گروہ جس نے ہند میں بودوباش اختیار کی اس کی زبان کون سی ہے؟
5. فارسی زبان آغاز سے لے کر آج تک کتنے مرحلوں میں تقسیم ہوئی ہے؟

1.3 فارسیٔ باستان

یہ وہ زبان ہے جو ہخامنشیون کے دور میں رائج تھی۔اس خاندان کے بادشاہ' کوروش بزرگ (521-486 ق۔م) سے لے کر اردشیر سوم (359-338 ق۔م) نے اس زبان کو اپنی جنگوں کے بیان اور کامیابی کے اظہار کے لیے پتھر یا سونے کی تختیوں پر کندہ کروایا۔جس کے اہم ترین کتبے' بےستون' تخت جمشید' نقش رستم اور شوش ہیں۔اس کے علاوہ اس دور کے بادشاہوں کے فرامین اور نامہ جات اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔علاوہ ازیں پتھروں چٹانوں اور مختلف برتنوں پر کندہ صورت میں دستیاب ہوتے ہیں۔یہ سب خط میخی میں لکھے جاتے تھے اور یہ ایران کی تاریخ کی اہم ترین سند ہے۔

ہخامنشی دور کے کتبے عام طور پر تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔

1. فارسیٔ باستان۔ جو ان بادشاہوں کی مادری زبان تھی۔
2. زبانِ عیلامی
3. زبان بابلی۔ جو کہ سامی زبان ہے۔

دوسرا نمونہ ایرانی باستان کا وہ ہے جس میں زرتشت کے مقدس آئین کی کتابیں ہیں۔اسی بنا پر اس زبان کو اوستائی زبان کہتے ہیں۔ان میں ںاھان ہے جو اوستا کی قدیم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔اوستا کی دوسری کتابیں ''یسنا'' ، ''وشتیت'' و ''ویدیوداد'' ہیں۔لیکن ان میں کوئی بھی اپنی اصلی کل میں باقی نہیں ہے۔ایک عرصہ تک تو دین زرتشت کے احکام کو سینہ بہ سینہ محفوظ رکھا گیا۔اس کی کوئی کتابی شکل موجود نہ تھی۔پہلی بار اردشیر ساسانی نے 224ء میں اشکانیوں کو شکست دے کر زرتشت کے آئین کو ایران کا حکومتی اور رسمی دین قرار دیا۔اسی کے فرمان سے آئین زرتشت کی روایات اور احکام کی ردآوری اور تدوین ہوئی۔دورۂ ساسانی میں اوستا کے بہت سے حصے جن کی اصلی زبان کہنہ ہوگئی تھی اور جس کا سمجھنا اس زمانے میں دشوار ہو رہا تھا۔اسی لیے اس زمانے کی مروجہ اور رسمی زبان یعنی پہلوی میں ترجمہ کیے گئے۔اور یہ باقی ماندہ ترجمہ اور تفسیر جس کو ''ژند'' کہتے ہیں یہی متن اوستا ہم تک پہنچی ہے۔

فارسی باستان جس الفباء میں لکھی گئی اس کو الفبای میخی'' کا نام دیا گیا۔اس نام کی علت یہ تھی کہ اس کے حروف میخ سے مشابہت و مماثلت رکھتے تھے۔الفباء فارسی باستان کے 36 حروف ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ہخامنشی دور میں کون سی زبان رائج تھی؟
2. اردشیر سوم نے اپنی جنگوں اور کامیابیوں کے اظہار کے لیے کون سا وسیلہ اختیار کیا؟
3. کتبے کون سے خط میں کندہ کروائے جاتے تھے؟
4. ہخامنشی دور کے کتبے کتنی زبانوں میں ملتے ہیں؟
5. کس بادشاہ نے زرتشت کے آئین کو ایران کا رسمی اور حکومتی دین قرار دیا؟
6. متن اوستا جو ہم تک پہونچی ہے اس کا نام بتایے۔

1.4 فارسیٔ میانہ

آخری ہخامنشی بادشاہ داریوش سوم کے قتل کے بعد فارسی زبان کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ دور فارسی زبان کا ''دورۂ میانہ'' ہے اسی لیے اس دور کی فارسی کو فارسیٔ میانہ کہا جاتا ہے اور یہ ایران کے مشرق و مغرب کے خطوں کے دو گروہوں میں تقسیم ہوئی۔

1. گروہ ایرانی میانۂ شرقی
2. گروہ ایرانی میانۂ غربی

گروہ ایرانی میانۂ شرقی کی زبانیں بلخی، ختنی، سغدی، خوارزمی رائج تھیں۔ گروہ غربی کی شمالی شاخ، پہلوانیک (پارتھی) اور گروہِ غربی کی جنوبی شاخ فارسیٔ میانۂ پہلوی کہلائی۔ فارسیٔ میانۂ پہلوی کو ''پہلویٔ ساسانی'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے بیشتر آثار اور اسناد مثلاً سکہ جات اور مہریں وغیرہ دستیاب ہیں۔ تمام الفباء ایرانی میانۂ غربی دائیں سے بائیں جانب لکھے جاتے تھے۔

''فارسیٔ نو''۔ ''زبان فارسی در دورۂ جدید''

یزدگرد سوم بادشاہ ساسانی کے قتل کے بعد ایران کشور اسلام کا ایک حصہ بن گیا۔ اور اس کے دو صدی بعد پھر ایرانیوں نے اپنی ایک قومی حکومت کی بنیاد ڈالی اور 261 ھ میں نصر بن احمد سامانی نے بخارا کو اپنا پایۂ تخت بنایا یہ بادشاہ گسترشِ زبان فارسی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ اس عہد کی زبان کا نام دری تھا۔ بادشاہ اور درباری اسی زبانِ میں گفتگو کرتے تھے اور اس لفظ کو نسبت ہے ''در'' یعنی دربار سے۔ زبانِ فارسی دری نے خطِ عربی سے استفادہ کیا ہے۔ شاعروں اور انشاپردازوں نے اس زبان کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا۔ دری وہ زبان ہے جو آج تک ایران کی ادبی اور رسمی زبان ہے۔ خاص طور پر سامانی دور کی جس کو ایران کا نشاۃ الثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس دور میں ایرانی تہذیب اور قومیت کا عنصر بہت زیادہ رہا۔ عربی سے تعلق کی وجہ سے اس میں خاصی تعداد میں عربی الفاظ اور ترکیبیں داخل ہوگئیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت خط کوفی اور خط نسخ کا رواج تھا۔ لیکن چوتھی صدی ہجری میں خط نسخ نے اس کی جگہ لی۔ بعد میں تعلیق، رقاع اور ثلث الفباء نسخ سے بنائے گئے۔ دورۂ تیموری میں خط نسخ اور تعلیق سے خط نستعلیق وجود میں آیا اور گیارہویں صدی میں الفبای شکستہ نستعلیق سے بنایا گیا۔ موجودہ دور میں ایران میں الفبای نسخ، کتابوں، مجلوں اور روزناموں کی چھپائی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور الفباء شکستہ کو پڑھے لکھے لوگ خصوصی نامہ نگاری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فارسیٔ میانہ کے گروہ کون سے ہیں؟
2. گروہ ایرانی میانۂ مشرقی کی زبانیں بتایے۔
3. پہلویٔ ساسانی کے کون کون سے آثار ملتے ہیں؟

4. زبان دری سے کیا مراد ہے؟

5. فارسیٔ دری نے کون سی زبان کے خط سے استفادہ کیا؟

6 دری کے کون سے خط ہیں؟

1.5 دستورِ زبانِ فارسی

اسم: وہ کلمہ ہے جو کسی آدمی، چیز یا جگہ کا نام ہو۔ کبھی وہ ایک شخص ہے۔

مانند : مرد۔ زن۔ ھوشنگ۔ فریدون۔ خدیجہ۔ پسر۔ دختر۔ مادر۔ پدر

کبھی اسم ایک جگہ کا نام ہے جیسے تہران۔ پاریس۔ آسیا۔ امریکا۔ کوہ۔ دشت۔ گلستان۔ بیابان وغیرہ۔

کبھی اسم حیوان کا نام ہے۔ مثلاً گاؤ۔ سگ۔ اسپ۔ گربہ۔ شیر۔ پلنگ۔ موش۔ مار وغیرہ

کبھی وہ نباتات کا نام ہے جیسے۔ درخت۔ چمن۔ چنار۔ سرو۔ گل۔ نسترن۔ سوسن۔ یاسمن وغیرہ۔

کبھی وہ ستاروں کا نام ہے جیسے آفتاب۔ ماہ۔ مریخ۔ زہرہ۔ ناہید۔ عطارد۔ زحل

کبھی وہ زمانہ یا وقت کا نام ہے۔ مثلاً روز۔ شب۔ صبح۔ بامداد۔ غروب۔ ظہر۔ سحر وغیرہ۔

کبھی وہ بے جان چیزوں کا نام ہے جیسے۔ کاغذ۔ صندلی۔ میز۔ کیف وغیرہ

کبھی وہ ایک حالت کا نام ہے جو کسی شخص یا چیز میں موجود ہو۔ مثلاً رنج۔ شادی۔ گرما۔ سرما۔ سفیدی۔ سیاہی

اسم خاص: جو کسی خاص چیز، آدمی، یا جگہ کا نام ہو۔ جیسے رستم۔ تہران۔ دہلی۔ نشاط باغ وغیرہ۔

اسم عام: وہ اسم جو ایک ہی قسم اور ایک ہی طرح کی چیزوں کے لیے کہا جائے جیسے سگ۔ قلم۔ دوات۔ دست وغیرہ۔

اقسام اسم۔ بہ لحاظ معنی

اسم معرفہ : وہ اسم ہے جس کے بارے میں گفتگو کرتے وقت مخاطب اس سے واقف اور شناسا ہو جیسے اگر ایک آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ

''خانہ را خریدم'' میں نے گھر خریدا۔

''کتاب را آوردم'' میں کتاب لایا۔

یہاں سننے والا جانتا ہے کہ کون سا مکان خریدا گیا اور کون سی کتاب لائی گئی۔ لہذا خانہ و کتاب دونوں اسم معرفہ ہیں۔ سب اسمِ خاص اسم معرفہ بھی ہوتے ہیں۔

اسم نکرہ : وہ اسم ہے جس کے بارے میں سننے والے کو کوئی واقفیت نہ ہو۔ جیسے ''بادشاہی بود'' ایک بادشاہ تھا۔

یہاں معلوم نہیں کہ کون بادشاہ تھا۔ لہذا ''بادشاہی'' یہاں اسم نکرہ ہے۔

اسی طرح ''مردی را در بازار دیدم'' میں 'مردی' اسم نکرہ ہے۔

اسم نکرہ کی علامت ''ی'' ہے جو اسم کے آخر میں آتی ہے اسم معرفہ کو اسم نکرہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں ''ی'' بڑھا دی جائے۔

اسم معنی: وہ اسم ہے جس کا وجود خارجی نہ ہو یعنی وہ دوسری چیز کے بغیر قائم نہ ہو جیسے ہوش۔ دانش۔ ناز۔ اندوہ۔ سفیدی وغیرہ۔

اسم جمع: وہ اسم ہے جو بظاہر مفرد ہو لیکن معنی میں جمع ہو جیسے رمہ۔ لشکر۔ دستہ وغیرہ جیسے مردان آمدند۔ زنان نشستند۔ چراغہا روشن شد۔ درختان سایہ دارند۔

ان جملوں میں ہر ایک کلمہ مردان۔ زنان۔ چراغہا۔ درختاں چند ہم جنس چیزوں پر دلالت کرتا ہے۔ مردان یعنی چند مرد۔ چراغہا یعنی چند چراغ۔ زنان یعنی چند زن۔ درختان یعنی چند درخت۔ یہ اسم جمع کہلاتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. اسم کی تعریف کیجیے اور مثال دیجیے۔
2. اسم معرفہ کس کو کہتے ہیں؟
3. اسم نکرہ کی تعریف کیجیے۔
4. اسم معرفہ کو اسم نکرہ کیسے بناتے ہیں؟
5. اسم معنی کس کو کہتے ہیں؟
6. اسم جمع کی تعریف کیجیے۔

1.6 خلاصہ

زبان فارسی ایک زندہ، توانا اور شیریں زبان ہونے کے علاوہ ایران کی علمی، ادبی اور سرکاری زبان بھی ہے۔ اس کی پیدائش آج سے ڈھائی ہزار سال قبل ہوئی۔ یہ زبان ہند آریائی زبانوں کی شاخ مانی جاتی ہے۔

یہ زبان آغاز سے لے کر آج تک مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی تین مرحلوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

1. فارسیٔ باستان 2. فارسیٔ میانہ 3. فارسیٔ نو

1-فارسئی باستان : یہ وہ زبان ہے جو ایران کے ہخامنشی دور میں رائج تھی اور اس دور کے بادشاہوں کے فرامین اور نامہ جات اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ اس کا رسم الخط میخی تھا۔ اس زبان کے آثار ہمیں صرف پتھروں، چٹانوں اور مختلف برتنوں پر کندہ صورت میں دستیاب ہوتے ہیں۔

2- فارسئی میانه : یہ زبان ایران کے مشرق و مغرب کے خطوں کے دو گروہوں میں تقسیم ہوئی جس میں گروہ غربی کی شمالی شاخ پہلوانیک (پارتھی) اور گروہ غربی کی جنوبی شاخ ''فارسیٔ میانہ'' کہلائی۔

3- فارسئی نو : اسلام کے ایران میں داخل ہونے کے بعد یہ زبان ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے عربوں کے زیر اثر عربی حروف تہجی سے متاثر ہو کر ایک نئی منزل میں داخل ہوئی اور بعد میں ''فارسی نو'' کے نام سے متعارف ہوئی۔ آج تک یہی زبان ملک کے طول و عرض میں رائج ہے۔ خاص طور پر سامانی دور نے جس کو ایران کا نشاۃ الثانیہ کہا جاتا ہے اس زبان کے پروان چڑھانے میں خاص رول ادا کیا۔ اور اس کے بعد فارسی زبان و ادب میں ایرانی تہذیب اور قومیت کا عنصر ہر دور میں بہت اہم رہا ہے۔

1.7 نمونۂ امتحانی سوالات

1. زبان کی تعریف کیجیے اور بتایے کہ فارسی ہند آریائی کی کس شاخ سے ہے؟
2. فارسی زبان کتنے مرحلوں میں تقسیم ہوئی ہے۔ اور ''فارسی باستان'' کے بارے میں لکھیے۔
3. آپ زبان دری کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجیے۔
4. اسم کی تعریف مثالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیجیے۔
5. اسم کی اقسام بتایے اور مثالیں دیجیے۔
6. اوستائی ادب کے بارے میں نوٹ لکھیے۔

1.8 فرہنگ

الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی
زن	= عورت	پسر	= بیٹا	دختر	= بیٹی
مادر	= ماں	پدر	= باپ	کوہ	= پہاڑ
دشت	= جنگل	گاؤ	= گائے	سگ	= کتا
اسپ	= گھوڑا	گربہ	= بلی	پلنگ	= چیتا
موش	= چوہا	گل	= پھول	روز	= دن
بامداد	= صبح	شب	= رات	صندلی	= کرسی

1.9 سفارش کردہ کتابیں

-1 علم بہ زبان — پروفسور عبدالقادر سروری

.2 تاریخ زبان فارسی — دکتر مھری باقری۔سلسلہ انتشارات نشر قطر 1090

.3 دربارۂ زبانِ فارسی وآئین نگارش — تالیف علی مومن

.4 تاریخ مختصر زبان فارسی — دکتر محسن ابوالقاسمی۔ناشر۔بنیاد اندیشہ اسلامی

.5 تاریخ زبان فارسی — دکتر پرویز ناتل خانلری

.6 دستور زبان فارسی — دکتر پرویز ناتل خانلری

.7 درس فارسی برائی فارسی آموزان خارجی۔تالیف تقی پورنامداریان۔دورۂ مقدماتی۔ پژوہش گاہ علوم انسانی ومطالعات فرہنگی۔

.8 ایرانی زبان کا قاعدہ بطرز جدید۔ — مولفہ سید حسن۔ناشر۔رام نرائن لال ارون کمار۔2 کڑہ روڈ الہ آباد

اکائی: 2 ضمیر واقسام ضمیر

ساخت

2.1 تمہید
2.2 ضمیر
2.3 ضمیر شخصی
2.4 ضمیر گسستہ
2.5 ضمیر پیوستہ
2.6 ضمیر اشارہ
2.7 نمونہ امتحانی سوالات
2.8 فرہنگ
2.9 سفارش کردہ کتابیں

2.1 تمہید

اکائی نمبر 2 میں ضمیر اور اقسام ضمیر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، جو دستور کے لحاظ سے وہ اجزائے کلام ہیں جن سے عبارت میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ ضمیر کا فائدہ یہ ہے کہ اسماء کو بار بار دُہرانا نہیں پڑتا۔ ایک ہی اسم کو بار بار استعمال کرنے سے جو تکرار لفظی ہوتی ہے وہ گراں گذرتی ہے۔ ضمیر کے استعمال سے بیان میں فصاحت کا اظہار ہوتا ہے اور مستقل کلموں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

2.2 ضمیر

ضمیر وہ کلمہ ہے جو اسم کی جگہ پر آئے۔ اور ایک ہی اسم کو بار بار استعمال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ:

''علی حسن را دید و بہ حسن گفت'' (یعنی علی نے حسن کو دیکھا اور حسن سے کہا) اس جملہ میں لفظ حسن کی دو بار تکرار ہوئی ہے اور یہ فصیح نہیں ہے۔ اس کو بدل کر ہم کو اس طرح کہنا چاہیے۔

''علی حسن را دید و بہ او گفت'' (علی نے حسن کو دیکھا اور اس سے کہا) یعنی کلمہ ''او'' بجائے اسم حسن ہے۔

دوسری مثال یہ کہ ''منوچہر را دیدم و بہ منوچہر گفتم'' (یعنی میں نے منوچہر کو دیکھا اور منوچہر سے کہا)

اس کی بجائے ''منوچہر را دیدم و بہ او گفتم'' یعنی میں نے منوچہر کو دیکھا اور اس سے کہا۔ اس جگہ کلمہ ''او'' نے اسم منوچہر کی جگہ لی ہے۔

اس قسم کے کلمات جو جانشین اسم ہوتے ہیں انہیں ''ضمیر'' کہتے ہیں۔

''ضمیر وہ کلمہ ہے جو جانشین اسم ہوتا ہے ضمیر کبھی مانند اسم فاعل واقع ہوتا ہے''

اپنی معلومات کی جانچ:

1. اسم کی جگہ کون سا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے؟
2. کلمہ ''او'' کس کی جگہ استعمال ہوتا ہے؟
3. ''منوچہر را دیدم و بہ منوچہر گفتم''۔ اس جملہ میں درست جگہ ضمیر استعمال کیجیے۔

2.3 ضمیر شخصی

کسی شخص کی بجائے جو ضمیر استعمال کی جائے' اس کو ضمیر شخصی کہتے ہیں۔ ضمیر شخصی تین طرح کے ہوتے ہیں:

1) وہ ضمیر جو کہنے والے کے نام کی جگہ آتی ہے اس کو ضمیر اول شخص یا متکلم کہتے ہیں۔
2) وہ ضمیر جو سننے والے کے نام کی جگہ آتی ہے اس کو ضمیر دوم شخص یا حاضر یا مخاطب کہتے ہیں۔
3) جس کا تذکرہ کیا جاتا ہے اس کے لیے جو ضمیر استعمال ہوتی ہے وہ سوم شخص یا غائب کہلاتی ہے۔

ضمیر شخصی کے چھ صیغے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے۔

شخص	مفرد	جمع
اول شخص	من=مین	ما=ہم
دوم شخص	تو=تو	شما=تم
سوم شخص	او=وہ	ایشاں=وہ سب

اپنی معلومات کی جانچ :

1. جو ضمیر کہنے والے کے نام کی جگہ آتی ہے اسے کیا کہتے ہیں؟
2. جو ضمیر سننے والے کے نام کی جگہ آئے اسے کیا کہتے ہیں؟
3. ضمیر سوم شخص کسے کہتے ہیں؟
4. ضمیر شخصی کے کتنے صیغے ہوتے ہیں؟

2.4 ضمیر گسستہ

وہ ضمیر جو کلمہ یا مرجع سے ملی ہوئی نہ ہو مثلاً لباس من =میرا لباس' کتابِ تو=تیری کتاب'

برادر او=اس کا بھائی' مادر شما=تمہاری ماں' قلمِ او=اس کا قلم' گلستانِ ما=ہمارا باغ'

پسرِ تو=تیرا بیٹا' استادِ ایشاں=ان سب کا استاد' عینکِ من=میری عینک' منزلِ شما=تمہارا گھر۔

.25 ضمیر پیوستہ

وہ ضمیر جو کلمہ یا مرجع سے ملی ہوئی ہو۔ مثلاً وہ اسم جس کی بجائے ضمیر استعمال کی جائے وہ مرجع ہے۔

لباسم=میرا لباس' کتابم=میری کتاب' دوستم=میرا دوست' چشمت=تیری آنکھ' برادرت=تیرا بھائی

2.6 ضمیر اشارہ

وہ ضمیر ہے جس سے کسی شخص یا چیز کی طرف اشارہ کیا جائے مثلاً اگر ہم کسی سے یہ کہیں کہ کتابی را بردار (کتاب کو اٹھا)۔

جب کتاب نزدیک ہوگی اس وقت ہم کہیں گے "این را بردار" یعنی اس کو اٹھا۔ یعنی کلمہ "این" ضمیر اشارہ ہے اور نزدیک کے اشارہ کے لیے "این" استعمال ہوتا ہے۔

لیکن اگر کتاب دور ہو تو ہم کہیں گے ''آن را بردار = اس کو اٹھا۔

اس طرح ضمیر اشارہ کے دو صیغے ہیں:

1) این = یہ نزدیک کی چیز کی طرف اشارہ

2) آن = وہ یعنی دور کی چیز کی طرف اشارہ

ضمیر اشارہ کی اسم کی مانند جمع بناتے ہیں:

''این'' کی جمع ----> اینان' اینها

''آن'' کی جمع ---> آنان۔آنها

ان صیغوں میں تذکیر اور تانیث کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ''لباس من'' میں ضمیر بتایے۔
2. وہ ضمیر جو کلمہ سے ملی ہوئی نہ ہو اسے کیا کہتے ہیں؟
3. ضمیر پیوستہ کی تعریف کیجیے۔
4. ضمیر اشارہ کی کتنی قسمیں ہیں؟
5. ''کتابم'' کو ضمیر گسستہ میں لکھیے۔
6. لباس من کو ضمیر پیوستہ میں لکھیے۔

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

1. ضمیر کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔
2. ضمائر شخصی کی تعریف کیجیے اور ان کے صیغے لکھیے۔
3. ضمیر گسستہ اور پیوستہ کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔
4. ضمیر اشارہ کی تعریف کیجیے اور مثالیں لکھیے۔

2.8 فرہنگ

الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی
دیدم	= میں نے دیکھا	گفتم	= میں نے کہا	او	= وہ
گلستان	= باغ	مادر	= ماں	منزل	= گھر
پسر	= بیٹا				

2.9 سفارش کردہ کتابیں

1. دستور زبان فارسی' از پرویز ناتل خانلری' الائیڈ پبلشرس پرائیوٹ لمیٹڈ' ممبئی' نئی دہلی' کولکتہ' چینائی' بنگلور
2. درس فارسی برای فارسی آموزان خارجی (دورۂ مقدماتی) از تقی پورنامداریان۔ دانشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی
3. ایرانی زبان کا قاعدہ (بطرز جدید) مولفہ سید حسن' ناشر۔ رام نرائن لال اُرن کمار' 2 کٹرہ روڈ۔ الہ آباد

3 : فعل واقسامِ فعل بہ لحاظ زمانۂ ماضی

ساخت

3.1 تمہید
3.2 فعل
3.3 اقسام فعل بہ لحاظ زمانہ
3.4 زمانۂ ماضی مطلق
3.5 زمانۂ ماضی ناتمام یا استمراری
3.6 زمانۂ ماضی نقلی
3.7 زمانۂ ماضی بعید
3.8 زمانۂ ماضی التزامی
3.9 نمونۂ امتحانی سوالات
3.10 فرہنگ
3.11 سفارش کردہ کتابیں

3.1 تمہید

اس اکائی میں فعل اور اقسام فعل بہ لحاظ زمانۂ ماضی سے بحث کی گئی ہے۔ جس طرح انسان کی زندگی تین زمانوں پر مشتمل ہے، اسی طرح انسان کا فعل بھی تین زمانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کا پہلا عنوان زمانہ ماضی ہے۔

3.2 فعل

فعل وہ کلمہ ہے جس میں کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے جیسے آمدن = آنا' رفتن = جانا' نوشتن = لکھنا' دیدن = دیکھنا' خریدن = خریدنا' دادن = دینا' آموختن = سیکھنا' کردن = کرنا۔

اقسام فعل: اقسام فعل دو ہیں :

بہ لحاظ معنی 1- فعل لازم' 2- فعل متعدی

فعل لازم : وہ فعل ہے جو دوسرے اسم کی مدد کے بغیر اپنے معنی دیتا ہو یعنی وہ فعل کہ جس میں کام فاعل پر ختم ہو جائے۔ جیسے من آمدم = میں آیا۔ اُو رفت = وہ گیا۔ اصغر نشست = اصغر بیٹھا' یہاں فعل آمدم' رفت اور نشست جملے کے معنی کو تمام کرتا ہے اور سننے والا مطلب سمجھنے کے لیے دوسرے کلمے کا محتاج نہیں ہے اور کام فاعل من۔او۔ اور اصغر پر تمام ہو جاتا ہے۔

فعل متعدی: وہ فعل ہے کہ اس کے معنی دوسرے کلمہ کے وسیلے سے جو مفعول کہلاتا ہے پورے ہوتے ہیں۔ یعنی جس میں کام کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے

1. من نان خوردم۔ میں نے روٹی کھائی۔
2. احمد کتاب خواند۔ احمد نے کتاب پڑھی۔

3. کوثر کتاب را آورد۔ کوثر کتاب لائی

4. سرور قلم را خرید۔ سرور نے قلم خریدا

ان جملوں میں عمل خوردن' از من سے نان تک پہنچا ہے۔

عمل خواندن' احمد سے ہو کر کتاب تک پہنچا ہے

عمل آوردن' کوثر سے ہو کر کتاب تک پہنچا ہے۔

عمل خریدن' سرور سے ہو کر قلم تک پہنچا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فعل کی تعریف کیجیے۔
2. فعل لازم کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔
3. فعل متعدی کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔
4. ''من نان خوردم''۔ یہ جملہ فعل لازم ہے یا فعل متعدی؟

3.3 اقسامِ فعل بہ لحاظ زمانہ

زمانے کے لحاظ سے فعل کو تین زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1) زمانۂ ماضی 2) زمانۂ حال 3) زمانۂ مستقبل

وہ فعل جو زمانۂ گذشتہ کو ظاہر کرے اسے فعلِ ماضی کہتے ہیں۔ فارسی میں مصدر سے ''نون'' نکال دینے سے زمانۂ ماضی بن جاتا ہے۔

مثلاً رفتن = جانا' گفتن = کہنا' نوشتن = لکھنا' دیدن = دیکھنا' خواندن = پڑھنا' آمدن = آنا

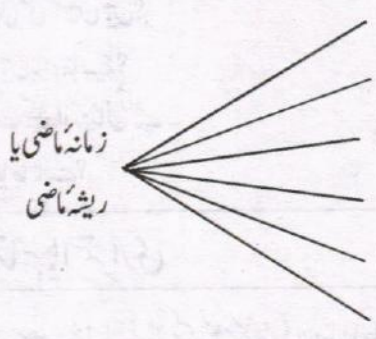

زمانۂ ماضی کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

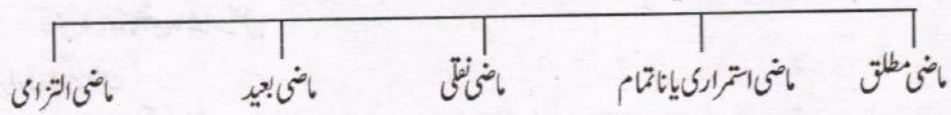

3.4 زمانۂ ماضی مطلق

وہ فعل ہے جس میں صرف گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کام کو واقع ہوئے زیادہ عرصہ گزرا ہے یا تھوڑا۔

جیسے رفت = گیا' گفت = کہا' نوشت = لکھا' دید = دیکھا' آمد = آیا۔

فارسی میں مصدر دن یا تن پر ختم ہوتا ہے۔مصدر سے ''ن'' نکال دینے سے زمانۂ ماضی مطلق بنتا ہے۔سوم شخص مفرد (واحد غائب) بنتا ہے۔

زمانۂ ماضی مطلق کی گردان

من رفتم	ـ	من رفت	+	م
تو رفتی	ـ	تو رفت	+	ی
او رفت	ـ	او رفت		
ما رفتیم	ـ	ما رفت	+	یم
شما رفتید	ـ	شما رفت	+	ید
ایشاں رفتند	ـ	ایشاں رفت	+	ند

سوم شخص (او) میں گردان کی کوئی علامت یعنی شناسۂ صرفی نہیں ہوتی۔وہ زمانۂ ماضی کی علامت کے برابر ہوتا ہے۔

زمانۂ ماضی مطلق کی گردان۔آمدن ـ سے

من آمدم	=	میں آیا
تو آمدی	=	تو آیا
او آمد	=	وہ آیا
ما آمدیم	=	ہم آئے
شما آمدید	=	تم آئے
ایشاں آمدند	=	وہ سب آئے

اپنی معلومات کی جانچ:

1. زمانے کے لحاظ سے فعل کی کتنی قسمیں ہیں؟
2. زمانۂ ماضی کی کتنی قسمیں ہیں نام بتایئے؟
3. زمانۂ ماضی مطلق کی تعریف کیجیے اور مثال لکھیے۔
4. زمانۂ ماضی مطلق کیسے بنایا جاتا ہے؟

3.5 زمانۂ ماضی ناتمام یا استمراری

وہ فعل ہے جس سے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کا جاری رہنا پایا جائے۔

جیسے اومی رفت = وہ جا رہا تھا۔ اومی نوشت = وہ لکھ رہا تھا' اومی آورد = وہ لا رہا تھا

ماضی استمراری =می+ مادۂ ماضی+شناسہ فعل

زمانہ ماضی استمراری کی گردان

1. من می نوشتم = میں لکھ رہا تھا
   تو می نوشتی = تو لکھ رہا تھا
   اومی نوشت = وہ لکھ رہا تھا
   ما می نوشتیم = ہم لکھ رہے تھے

شما می نوشتید = تم لکھ رہے تھے

ایشاں می نوشتند = وہ سب لکھ رہے تھے

2. من می آوردم = میں لا رہا تھا

تو می آوردی = تو لا رہا تھا

او می آورد = وہ لا رہا تھا

ما می آوردیم = ہم لا رہے تھے

شما می آوردید = تم لا رہے تھے

ایشاں می آوردند = وہ سب لا رہے تھے

3.6 زمانۂ ماضیٔ نقلی

وہ فعل ہے جس سے قریب کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔ جیسے گفتہ است = کہا ہے، رفتہ است = گیا ہے، آوردہ است = لایا ہے، نوشتہ است = لکھا ہے

ماضی نقلی = مادۂ ماضی + ہ + شناسہ

زمانۂ ماضی نقلی کی گردان

1. من آوردہ ام = میں لایا ہوں

تو آوردہ ای = تو لایا ہے

او آوردہ است = وہ لایا ہے

ما آوردہ ایم = ہم لائے ہیں

شما آوردہ اید = تم لائے ہو

ایشاں آوردہ اند = وہ لائے ہیں

2. من نوشتہ ام = میں نے لکھا ہے

تو نوشتہ ای = تو نے لکھا ہے

او نوشتہ است = اس نے لکھا ہے

ما نوشتہ ایم = ہم نے لکھا ہے

شما نوشتہ اید = تم نے لکھا ہے

ایشاں نوشتہ اند = ان سب نے لکھا ہے

3.7 زمانۂ ماضی بعید

وہ فعل ہے جس سے دور کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

جیسے گفتہ بود = کہا تھا، نوشتہ بود = لکھا تھا، دیدہ بود = دیکھا تھا، شنیدہ بود = سنا تھا، آوردہ بود = لایا تھا

زمانۂ ماضی بعید = مادۂ ماضی + ہ بود + شناسہ

زمانۂ ماضی بعید کی گردان

1. من آمدہ بودم = میں آیا تھا
   تو آمدہ بودی = تو آیا تھا
   او آمدہ بود = وہ آیا تھا
   ما آمدہ بودیم = ہم آئے تھے
   شما آمدہ بودید = تم آئے تھے
   ایشاں آمدہ بودند = وہ سب آئے تھے
2. من نوشتہ بودم = میں نے لکھا تھا
   تو نوشتہ بودی = تو نے لکھا تھا
   او نوشتہ بود = اس نے لکھا تھا
   ما نوشتہ بودیم = ہم نے لکھا تھا
   شما نوشتہ بودید = تم نے لکھا تھا
   ایشاں نوشتہ بودند = ان سب نے لکھا تھا

3.8 زمانۂ ماضی التزامی

وہ فعل ہے جس میں گزرے ہوئے زمانے میں کام کے ہونے یا کرنے میں شک پایا جائے۔ جیسے۔

رفتہ باشد = گیا ہوگا شنیدہ باشد = سنا ہوگا
کردہ باشد = کیا ہوگا نوشتہ باشد = لکھا ہوگا
دیدہ باشد = دیکھا ہوگا دادہ باشد = دیا ہوگا

ماضی التزامی = مادۂ ماضی + ہ باشد + شناسہ

ماضی التزامی کی گردان

1. من شنیدہ باشم = میں نے سنا ہوگا
   تو شنیدہ باشی = تو نے سنا ہوگا
   او شنیدہ باشد = اس نے سنا ہوگا
   ما شنیدہ باشیم = ہم نے سنا ہوگا
   شما شنیدہ باشید = تم نے سنا ہوگا
   ایشاں شنیدہ باشند = ان سب نے سنا ہوگا
2. من دیدہ باشم = میں نے دیکھا ہوگا
   تو دیدہ باشی = تو نے دیکھا ہوگا
   او دیدہ باشد = اس نے دیکھا ہوگا
   ما دیدہ باشم = ہم نے دیکھا ہوگا

شما دیدہ باشید = تم نے دیکھا ہوگا

ایشاں دیدہ باشند = ان سب نے دیکھا ہوگا

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ماضی استمراری کی تعریف کیجیے۔
2. ماضی استمراری کے بنانے کا طریقہ بتایئے۔
3. ماضی نقلی کی تعریف مع مثال لکھیے۔
4. ''ما آوردہ ایم'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔
5. ماضی بعید بنانے کا طریقہ بتایئے۔
6. ماضی التزامی بنانے کا طریقہ بتایئے۔
7. ''شما دیدہ باشید'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔
8. ''ایشاں نوشتہ بودند'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔

3.9 نمونۂ امتحانی سوالات

1. فعل کی تعریف کیجیے اور اس کی اقسام بھی لکھیے۔
2. زمانہ ماضی کی تعریف کیجیے اور اس کی اقسام کے بارے میں لکھیے۔
3. ماضیٔ نقلی اور ماضی بعید کی تعریف کیجیے اور ہر ایک کی کسی ایک مصدر سے گردان بنایئے۔
4. زمانۂ ماضی مطلق اور زمانۂ ماضی استمراری کی تعریف کیجیے اور مثالیں بھی لکھیے۔

3.10 فرہنگ

الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی
رفتن	=	جانا	نشستن	=	بیٹھنا	خوردن	=	کھانا
آوردن	=	لانا	خریدن	=	خریدنا	گفتن	=	کہنا
نوشتن	=	لکھنا	دیدن	=	دیکھنا	شنیدن	=	سننا

3.11 سفارش کردہ کتابیں

1. درس فارسی برای فارسی آموزان خارجی (دورۂ مقدماتی) تقی پورنامداریان۔ پژوھشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرھنگی
2. دستور زبان فارسی۔ از پرویز ناتل خانلری
3. ایرانی زبان کا قاعدہ بطرز جدید مولفہ سید حسن۔ ناشر رام نرائن لال اُرن کمار۔2، کٹرہ روڈ۔ الہ آباد
4. فارسی برای غیر فارسی زبانان۔ ثمینہ باغچہ بان (بیرنظر)

اکائی: 4 زمانۂ حال و مستقبل اور اضافت

ساخت

4.1 تمہید

4.2 فعل حال

4.3 فعل مستقبل یا آئندہ

4.4 اضافت

4.5 نمونۂ امتحانی سوالات

4.6 فرہنگ

4.7 سفارش کردہ کتابیں

4.1 تمہید

اکائی 4 میں اقسام فعل (حال، مستقبل اور اضافت) کا بیان ہے۔ زمانۂ فعل حال میں موجودہ زمانۂ فعل کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے۔ زمانۂ فعل مستقبل میں آئندہ زمانے میں فعل کے وقوع کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

اضافت دو اسموں یا اسم و ضمیر کے باہمی ربط کا نام ہے۔ گفتگو ہو کہ تحریر یہ تمام اجزائے کلام کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتے ہیں، جن کے بغیر کوئی ادیب یا شاعر اپنی تخلیق کو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔ اسی لیے دستور زبان اور اس کے اجزا کے باہمی ربط و ضبط سے واقفیت، چاہے طالب علم ہو یا مقرر یا مصنف ضروری ہے۔

4.2 فعل حال

وہ فعل ہے جس سے کام کا موجودہ زمانہ میں ہونا پایا جائے۔ فعل حال کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ مضارع کے پہلے می یا ہمی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے می رود= جاتا ہے۔ می گوید= کہتا ہے۔

فعل مضارع = جو زمانۂ حال یا زمانہ آئندہ کو بتائے۔ اس کے بنانے کا کوئی کلیہ یا قاعدہ نہیں ہے۔ لیکن اس کی پہچان یہ ہے کہ اس فعل کے آخر میں ''د'' ساکن اور اس سے پہلے والے حرف پر زبر ہوتا ہے۔ جیسے مصدر آوردن سے آوَرَد۔

فعل حال کی گردان۔ مضارع سے قبل ''می'' لگا کر حال کا صیغہ بنا لیتے ہیں مثلاً گفتن۔ گوید۔ می گوید

1. من می گویم = میں کہہ رہا ہوں

تو می گوئی = تو کہہ رہا ہے

او می گوید = وہ کہہ رہا ہے

ما می گوئیم = ہم کہہ رہے ہیں

شما می گوئید = تم کہہ رہے ہو

ایشاں می گویند = وہ سب کہہ رہے ہیں

2. رفتن ۔رود = می رود

من می روم = میں جارہا ہوں

تو می روی = تو جارہا ہے

اومی رود = وہ جارہا ہے

مامی رویم = ہم جارہے ہیں

شامی روید = تم جارہے ہو

ایشان می روند = وہ سب جارہے ہیں

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فعل حال کی تعریف کیجیے۔
2. فعلِ حال کی دو مثالیں بتایئے۔
3. فعل حال کیسے بنایا جاتا ہے؟
4. ''من می گویم'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔
5. ''اومی رود'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔

4.3 فعل مستقبل یا آئندہ

وہ فعل ہے جس سے آنے والا زمانہ مراد ہو۔ فعل مستقبل ہمیشہ فعل ''خواستن'' کے مضارع 'خواہد' سے بنایا جاتا ہے۔

فعل آئندہ: ماضی مطلق کے صیغۂ واحد غائب سے قبل مصدر خواستن کے مضارع خواہد کا استعمال کر کے فعل مستقبل بنایا جاتا ہے۔ مثلاً

اوخواہد رفت = وہ جائے گا

من خواہم نوشت = میں لکھوں گا

تو خواہی آمد = تو آئے گا

ایشاں خواہند آمد = وہ سب آئیں گے

شما خواہید خواند = تم پڑھو گے

فعل مستقبل کی گردان

1. من خواہم رفت = میں جاؤں گا

تو خواہی رفت = تو جائے گا

اوخواہد رفت = وہ جائے گا

ما خواہیم رفت = ہم جائیں گے

شما خواہید رفت = تم جاؤ گے

ایشاں خواہند رفت = وہ سب جائیں گے

2. من خواہم آورد = میں لاؤں گا

تو خواہی آورد = تو لائے گا

او خواہد آورد = وہ لائے گا

ما خواہیم آورد = ہم لائیں گے

شما خواہید آورد = تم لاؤ گے

ایشاں خواہند آورد = وہ سب لائیں گے

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فعل مستقبل یا آئندہ کی تعریف کیجیے۔
2. فعل مستقبل کی تین مثالیں دیجیے۔
3. فعل مستقبل کیسے بنایا جاتا ہے؟
4. ''ما خواہیم رفت'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔
5. ''تو خواہی آورد'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔

4.4 اضافت

ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے تعلق ''اضافت'' کہلاتا ہے۔ جس چیز کی کسی سے نسبت ہو اس کو ''مضاف'' اور جس کے ساتھ نسبت ہوتی ہے اس کو ''مضاف الیہ'' کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں اکثر مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے۔ مضاف کے آخری حرف کے نیچے ــِ کی حرکت ہوتی ہے جس سے مضاف اور مضاف الیہ مربوط ہو جاتے ہیں۔ جیسے:

کتابِ احمد = احمد کی کتاب

مضاف مضاف الیہ

شاعرِ اردو = اردو کا شاعر

مادرِ پروین = پروین کی ماں

کشورِ ایران = ایران کا ملک

درِ باغ = باغ کا دروازہ

خاکِ مدینہ = مدینہ کی خاک

برادرِ ایرج = ایرج کا بھائی

رنگِ حنا = مہندی کا رنگ

جو کلمہ کہ کسی ایک مصوتے ''ا''، ''واو'' پر ختم ہوگا مثلاً ''پا''، ''سبو'' تو اضافت کی بجائے ''ی'' بڑھایا جاتا ہے۔ جیسے:

پای گربہ = بلی کا پیر

سبوی آب = پانی کا گھڑا

اگر مضاف کے آخر میں ہای مختفی یا یای مقصورہ ہو تو کسرہ (ــِ) کے بدلے ایک ہمزہ بڑھاتے ہیں اور اس کو ''ی'' کی طرح تلفظ کرتے ہیں جیسے

خانۂ احمد = احمد کا گھر

آشیانۂ بلبل = بلبل کا آشیانہ

اپنی معلومات کی جانچ:

1. اضافت کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔
2. اضافت کی علامت کیا ہے؟
3. ''درِ باغ'' کا اردو ترجمہ لکھیے۔
4. ''شاعرِ اردو'' کا اردو میں ترجمہ کیجیے۔

4.5 نمونۂ امتحانی سوالات

1. فعل حال کی تعریف کیجیے۔اس کے بنانے کا قاعدہ مثالوں کے ساتھ تحریر کیجیے۔
2. فعل مستقبل سے کیا مراد ہے؟اس کو مثالوں سے واضح کیجیے۔
3. اضافت کی تعریف کیجیے اور مثالیں لکھیے۔

4.6 فرہنگ

الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی
خواستن	=	چاہنا	پا	=	پیر	سبو	=	گھڑا
گربہ	=	بلی	آب	=	پانی	خانہ	=	گھر
آشیانہ	=	نشیمن، گھونسلہ						

4.7 سفارش کردہ کتابیں

1. درس فارسی برای فارسی آموزان خارجی (دورۂ مقدماتی) تقی پورنامداریان۔ پژوھشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرھنگی۔
2. دستورِ زبان فارسی۔از پرویز ناتل خانلری
3. ایرانی زبان کا قاعدہ بطرز جدید۔مولفہ سید حسن۔رام نرائن لال اُرن کمار 2، کڑہ روڈ۔الہ آباد

اکائی: 5 ادبیاتِ فارسی نثر قدیم وجدید

ساخت

5.1 تمہید
5.2 نثر قدیم حکایت از گلستان سعدی
5.3 سعدی شیرازی کے حالات زندگی
5.3.1 شاعری
5.3.2 گلستان
5.4 نثر جدید "چوپان دروغ گو"
5.5 خلاصہ
5.6 نمونہ امتحانی سوالات
5.7 فرہنگ
5.8 سفارش کردہ کتابیں

5.1 تمہید

فارسی ادب چاہے وہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں ماحول کا ترجمان رہا ہے۔ اور ہر دور میں پند و اخلاق کی تربیت پر زور دیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اس اکائی میں جو حکایتیں شامل ہیں وہ بھی اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ قدیم دور میں جو رجحان ادیبوں اور مصنفوں کے پیش نظر تھا وہ ادب برائے ادب تھا لیکن جوں جوں زمانہ بدلتا گیا اور ماحول میں نئی نئی تبدیلیاں آتی گئیں تو یہ رجحان بدل کر ادب برائے زندگی ہو گیا اور ادب میں نئے موضوعات شامل ہوتے گئے۔ اس کے علاوہ زبان میں بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں جو عوام کے ذہنوں سے قریب ہوں۔

5.2 نثر قدیم۔حکایت از گلستان سعدی۔از باب سوم۔در فضیلت قناعت

دو امیر زادگان در مصر بودند۔ یکی علم آموخت و دیگری مال اندوخت۔ آن علامۂ عصر شد و این عزیز مصر گشت۔ پس این توانگر بہ چشم حقارت در فقیہہ نظر کرد و گفت! من بہ سلطنت رسیدم و تو ہمچنان در مسکنت بماندی۔ گفت ای برادر، شکر نعمتِ باری تعالیٰ بر من است کہ میراثِ پیغمبران یافتم یعنی علم۔ و تو میراثِ فرعون وھامان یعنی ملک مصر۔

من آن مورم کہ درپایم بمالند نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند
چگونہ شکر این نعمت گذارم کہ زور مردم آزاری ندارم

ترجمۂ حکایت : دو امیر زادے مصر میں تھے۔ ایک نے علم سیکھا اور دوسرے نے دولت جمع کی۔ وہ علامۂ زماں ہوا اور یہ عزیز مصر ہوا۔ پس اس دولت مند نے حقارت سے فقیہہ پر نظر ڈالی اور کہا میں نے بادشاہت حاصل کی اور تو اسی طرح غریبی میں رہ گیا۔ اس نے کہا اے بھائی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر مجھ پر واجب ہے کہ میں نے پیغمبروں کی میراث پائی یعنی علم اور تو نے فرعون اور ھامان کی یعنی مصر کی بادشاہت۔

شعر: میں وہ چیونٹی ہوں کہ اگر میں کسی کو کاٹتی ہوں تو مجھے پاؤں سے فوراً مسل دیتے ہیں۔ لیکن میں وہ بھڑ نہیں ہوں کہ جس کے ڈنک مارنے سے لوگ تکلیف سے کر مارے رو پڑتے ہیں۔

پھر کہتا ہے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے علم کی دولت دی۔ میں کس طرح اللہ کا شکر ادا کروں کہ میں طاقت کی بنا پر کسی کو آزار نہیں پہونچاتا ہوں یعنی عالم سے سب کو فائدہ ہی پہونچتا ہے۔

چنانچہ سعدی اس حکایت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عالم ہوتا ہے وہ حرص ولالچ نہیں کرتا بلکہ قناعت اختیار کرتا ہے جو بڑی پسندیدہ صفات میں سے ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. مصر میں کتنے امیر زادے تھے؟
2. جس نے علم حاصل کیا وہ کیا بنا؟
3. جس نے دولت جمع کی اس نے کیا حاصل کیا؟
4. توانگر نے فقیہہ سے کیا کہا؟
5. فقیہ نے کیا جواب دیا؟

5.3 سعدی شیرازی کے حالاتِ زندگی

سعدی شیرازی فارسی زبان وادب کا درخشاں ستارہ ہیں۔ ان کا نام شیخ مصلح الدین اور تخلص سعدی تھا۔ 606ء کے قریب شیراز میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمائے دین کا خاندان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ مذہبی اور ادبی علوم کی تحصیل شیراز ہی میں کی۔ پندرہ سال کی عمر میں بغداد گئے۔ اور وہاں کے مشہور زمانہ مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ ابوالفرج بن جوزی اور شیخ شہاب الدین ابوحفص سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ تقریباً بتیس سال کی عمر تک ان سے اکتساب علم کیا۔ پھر سیر وسیاحت سے دلچسپی کی بنا پر عازم سفر ہوئے اور مکہ، دمشق اور مختلف شہروں کا سفر کیا۔ اس طولانی سفر کے بعد شیراز واپس ہوئے۔ ریاضت اور عبادت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے اور اپنی نثری ومنظوم تالیفات یادگار چھوڑیں جوان کے سفر کے تجربات اور مشاہدات پر مشتمل ہیں۔ انھوں نے اپنے سفر کے دوران مختلف اقوام سے ملاقات کی ان کی تہذیب سے آشنا ہوئے اور ان کے علم وفضل کے جوہر بے بہا نے ان کو خاص وعام میں عزت وافتخار عطا کیا۔ ان کو وسیع المشرب بنایا۔ سعدی نے تمام رنگی، نژادی، ملی اور انسانی برتری کو باطل کر کے عوام الناس کو انسانیت کی دعوت دی۔ جس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

بنی آدم اعضای یک دگر اند — کہ در آفرینش ز یک گوہر اند
چو عضوی بدرد آورد روزگار — دگر عضوھا را نماند قرار

سعدی وہ خوش نصیب انسان تھے کہ زندگی ہی میں اپنی تصانیف کی شہرت اور مقبولیت کا شہرہ سنا۔ ایران کے علاوہ ہندوستان کے دو فارسی گو شعرا امیر خسرو دہلوی اور حسن دہلوی نے اپنی غزلوں میں سعدی کی پیروی کی ہے۔ امیر خسرو، سعدی کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں: ''جلد سخنم دارد شیرازۂ شیرازی لسان الغیب، حافظ شیرازی'' بھی سعدی کو استادِ سخن مانتے ہیں۔

5.3.1 شاعری

مجموعۂ آثار سعدی کو ''کلیاتِ سعدی'' کہتے ہیں۔ اس میں غزلیات، قصائد، ملمعات اور رباعیات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بوستان ہے۔ جو اتابک ابوبکر سعد بن زنگی کے نام لکھی ہے۔ یہ عارفانہ مثنوی بحر متقارب میں ہے۔ اور اس میں اخلاقی مضامین بیان کیے ہیں۔ اخلاقی شاعری کی بنیاد حکیم سنائی، خیام اور عطار نے رکھ دی تھی۔ مگر سعدی نے اسے انتہا کو پہنچایا۔ سعدی نے مدحیہ قصائد سے زیادہ غزل کو آب ورنگ عطا کیا۔ غزل کو رودکی، سنائی، اوحدی، عطار اور رومی نے ترقی دی۔ عطار اور رومی نے عشقِ حقیقی کو غزل میں سمویا کیونکہ یہ دونوں صوفی شاعر تھے۔ سعدی نے غزل میں عشق وذوق، شورو

الفت، تخیل کی بلندی، نکتہ پردازی اور مضمون آفرینی کو کمال پر پہنچایا۔ حق تعالی کی شناخت اور پروردگار کی طاعت و بندگی کا اظہار سعدی کے کلام کے خصائص برجستہ ہیں۔ وہ ایک شاعر شیریں سخن اور آموزگار دردمند ہیں۔

سعدی کی بوستان عارفانہ قصوں پر مشتمل مثنوی ہے۔ وہ وظایف اخلاقی کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ بوستان آیاتِ قرآن کریم سے استشہاد، احادیث اور روایات مذہبی سے مملو ہے۔ اس میں مشائخ، صوفیا اور عارفان بزرگ کے حالات اور اقوال ہیں۔ بوستان درحقیقت معرفت کردگار اور شناخت عالم ہستی ہے۔ اس میں عواطف، ایثار و کرم، تواضع، احسان، رضا، قناعت، شکر اور مناجات کا ایک جہان آباد ہے۔

5.3.2 گلستان

بوستان کے ایک سال بعد سعدی نے گلستان تصنیف کی۔ جو ایرانی ادبیات کا گل سرسبد ہے۔ یہ شیریں اور رواں نثر میں لکھی گئی ہے۔ حکایتوں کے ضمن میں برجستہ اشعار لکھے ہیں جو خود سعدی کے ہیں۔ گلستان کی نثر مسجع ہے اور صنعتِ سجع کا خوب استعمال کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی الفاظ کے حسین انتخاب، وزن اور تناسب کو فارسی عبارت میں خوب سمویا ہے۔ مسجع کا لازمہ تصنع ہے لیکن پوری گلستان میں ایک بھی پر تصنع جملہ نہیں ہے۔ گلستان کے دیباچہ میں ایک قطعہ ہے جس میں پروردگار عالم کی حمد میں بلندترین مفاہیم کو فصیح ترین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ای کریمی کہ از خزانہ ٔ غیب
گبر و ترسا وظیفہ ٔ خورد داری
دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمنان نظر داری

اسی طرح نعتِ پیمبر اور عظمت رسول ﷺ کا یوں بیان ہے۔

(۱) بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلّوا علیہ و آلہ

(۲) خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

گلستان کے آٹھ باب ہیں:

باب اول	-	درسیرت پادشاھان	باب دوم	-	دراخلاق درویشان
باب سوم	-	درفضیلت قناعت	باب چہارم	-	درفوائد خاموشی
باب پنجم	-	درعشق و جوانی	باب ششم	-	درضعف و پیری
باب ہفتم	-	درتاثیر تربیت	باب ہشتم	-	درآداب صحبت

المختصر سعدی بے مثال شاعر، ادیب اور عارف کامل تھے۔ اس مردِ عارف نے شبِ جمعہ ماہ شوال 691ھ یا 694ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی آرام گاہ شیراز میں ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. سعدی کی پیدائش ایران کے کس شہر میں ہوئی؟
2. ابتدائی تعلیم کس سے حاصل کی؟
3. بغداد کے کون سے مشہور مدرسہ میں تحصیل علم کی؟

4. سعدی نے کن شہروں کی سیاحت کی؟
5. مجموعۂ آثار سعدی کو کیا کہتے ہیں؟
6. بوستان کیسی کتاب ہے؟
7. گلستان کے کتنے باب ہیں؟
8. سعدی کی آخری آرام گاہ کہاں ہے۔

5.4 نثر جدید۔ ''چوپان دروغ گو''

چوپانی گاہ گاہ بی سبب فریادی کرد۔ گرگ آمد' گرگ آمد' مردم برای نجات چوپان و گوسفندان بہ سوی اومی دویدند۔ ولی چوپان می خندید و مردم می فہمیدند کہ دروغ گفتہ است۔

ناگہان روزی گرگی بہ رمہ زد۔ چوپان فریاد کرد و کمک خواست۔ مردم گمان کردند کہ باز دروغ می گوید۔ ہر چہ فریاد کہ ہیچ کس بہ کمک او نہ رفت۔ چوپان دروغ گو تنہا ماند و گرگ گوسفندان او را درید۔

ترجمہ: ایک چرواہا کبھی کبھی بے وجہ فریاد کرتا تھا بھیڑیا آیا۔ بھیڑیا آیا۔ لوگ چرواہے اور بکریوں کو بچانے کے لیے اس کی طرف دوڑتے تھے۔ لیکن چرواہا ہنستا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ جھوٹ کہتا ہے۔

اچانک ایک دن ایک بھیڑیے نے مندے پر حملہ کیا چرواہے نے فریاد کی اور مدد چاہی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ پھر جھوٹ کہتا ہے۔ کتنی ہی فریاد کی کوئی شخص اس کی مدد کو نہ گیا۔ جھوٹ بولنے والا چرواہا اکیلا رہ گیا اور بھیڑیے نے اس کی بکریوں کو پھاڑ ڈالا یا مار ڈالا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. جھوٹا چرواہا اکثر کیا فریاد کرتا تھا؟
2. چرواہا کس بات سے خوش ہوتا تھا؟
3. بھیڑیے نے بکریوں کا کیا کیا؟
4. کیا چرواہا سچا آدمی تھا؟

5.5 خلاصہ

سعدی شیرازی شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بغداد کے مشہور مدرسۂ نظامیہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے مشہور اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ سعدی کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ لہذا انہوں نے مکہ' دمشق اور بہت سے شہروں کی سیاحت کی۔ پھر واپس شیراز آئے اور وہیں پر تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ انہوں نے اپنے سفر کے تجربات اور مشاہدات کو دو مشہور زمانہ تصانیف بوستان اور گلستان کی صورت میں تحریر کیا۔ بوستان ایک عارفانہ مثنوی ہے جو بحر متقارب میں لکھی گئی ہے۔ اس کے ایک سال بعد گلستان تصنیف کی۔ جو شیریں اور رواں نثر میں ہے۔ گلستان کی نثر مسجع ہے اور اس کے آٹھ باب ہیں۔

5.6 نمونۂ امتحانی سوالات

1. چوپان دروغ گو کا خلاصہ لکھیے۔
2. حکایت دو امیر زادگان کا خلاصہ لکھیے۔

3. سعدی شیرازی کی زندگی کے حالات بیان کیجیے۔
4. سعدی شیرازی کی گلستان کی اہمیت پر نوٹ لکھیے۔
5. گلستان کے کتنے باب ہیں اور ان کے عنوانات کیا ہیں؟

5.7 فرہنگ

الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی	الفاظ	=	معنی
چوپان	=	چرواہا	دروغ گو	=	جھوٹ بولنے والا	بی سبب	=	بے وجہ
فریاد	=	آہ و نالہ	گرگ	=	بھیڑیا	مردم	=	لوگ
ہیچ کس	=	کوئی شخص	امیرزادہ	=	امیر باپ کا بیٹا	برای	=	واسطے، لئے
نجات	=	چھٹکارا	گوسفند	=	بکری	گوسفندان	=	بکریاں
سو	=	طرف، جانب	ولی	=	لیکن	خندیدن	=	ہنسنا
فہمیدن	=	سمجھنا	دروغ	=	جھوٹ	گفتن	=	کہنا
ناگہاں	=	اچانک	روزی	=	ایک دن	رمہ	=	مندا
کمک	=	مدد	خواست	=	چاہی۔ چاہا	گمان	=	خیال
باز	=	پھر، دوبارہ	ہرچہ	=	جتنا کچھ	ہیچ کس	=	کوئی شخص
نرفت	=	نہیں گیا	تنہا	=	اکیلا	ماند	=	رہ گیا
درید	=	پھاڑ ڈالا، مار ڈالا	فضیلت	=	بزرگی، بڑائی	قناعت	=	قانع ہونا کم مقدار پر
آموخت	=	سیکھا	اندوخت	=	جمع کیا	عصر	=	زمانہ
عزیز مصر	=	مصر کا بادشاہ	توانگر	=	دولت مند	حقارت	=	ذلت
فقیہ	=	عالم احکام شرع	مسکنت	=	تہیدستی	ماندی	=	تورہ گیا
مور	=	چیونٹی	پا	=	پیر	مانند	=	ملتے ہیں
زنبور	=	''بھڑ''۔ ڈنک مارنے والی مکھی	نیش	=	ڈنک	نالند	=	روتے ہیں
چگونہ	=	کس طرح	گزارم	=	میں ادا کروں	آزار	=	تکلیف
ندارم	=	میں نہیں رکھتا ہوں						

5.8 سفارش کردہ کتابیں

1. فارسی برای غیر فارسی زبانان۔ تالیف ثمینہ باغچہ بان (پیر نظر) ادارۂ ادبیات دلی۔ 2009 گلی قاسم جان۔ دہلی 6
2. گلستان: از محمد علی فروغی
3. تاریخ ادبیات ایران۔ محمد مبارز الدین رفعت
4. راہنمائے ادبیات فارسی۔ از دکتر زہرای خانلری۔ ناشر کتابخانۂ ابن سینا

اکائی: 6 غزل

ساخت

6.1 تمہید

6.2 غزل کا ارتقا

6.3 امیر خسرو

6.3.1 شاعری

6.4 حافظ شیرازی

6.4.1 شاعری

6.5 غزلیات

6.5.1 غزل امیر خسرو دہلوی

6.5.2 غزل حافظ شیرازی

6.6 خلاصہ

6.7 نمونۂ امتحانی سوالات

6.8 فرہنگ

6.9 سفارش کردہ کتابیں

6.1 تمہید

نظم کی یہ قسم ابتدا سے اور قسموں کے مقابلے میں زیادہ رائج رہی ہے۔ اصطلاح شعر میں غزل اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ان جذبات وخیالات کا اظہار کیا جائے جو حسن وعشق کے اثر سے انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ مضمون کی یہ پابندی ابتدا میں پوری کی جاتی تھی مگر رفتہ رفتہ حسن وعشق کے مضامین کے علاوہ تصوف واخلاق اور دوسرے ہر قسم کے مضامین غزل میں برتے جانے لگے۔ معنی کے لحاظ سے اس کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ فارسی شاعری میں غزل کا سرمایہ دوسری تمام اصناف سخن سے بہت زیادہ ہے۔ اب گردوپیش کے محرکات کے تحت عشقیہ مضامین کی خصوصیت نظر انداز ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ بہت سے دوسرے مضامین فلسفہ، تصوف، سیاسیات اور قومیت وغیرہ نے بھی اس میں دخل پالیا ہے۔ اس کی زبان شیریں اور سوز وگداز نیز اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔

غزل کے معنی عورتوں سے بات کرنے کے ہیں چونکہ اکثر شعر میں شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کر کے اس کی تعریف کرتا ہے اس لیے اس کو غزل کہا جاتا ہے۔

فارسی غزل میں سعدی، حافظ، عرفی، صائب، امیر خسرو، سلمان ساوجی اور غالب کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے کلام میں رنگارنگ مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ سامانی دور ہی سے اس کی ابتدا ہوئی۔ سلجوقی اور تیموری دور اس کے عروج کا زمانہ ہے۔ عہد حاضر کے شعرا میں پروین اعتصامی، بہار اور شہریار جیسے شاعروں نے بھی غزلیں کہیں لیکن ان میں بھی وہی سیاسی رجحان اور نیا انداز فکر پایا جاتا ہے۔

6.2 غزل کا ارتقا

عشق ومحبت انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس لیے جہاں انسان ہے وہاں عشق بھی ہے۔ کوئی زبان جس میں شاعری ہوتی ہے وہ عشقیہ شاعری

سے بھی خالی نہیں ہوتی۔ لیکن ایران اس خصوصیت میں تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں قدیم تمدن اور حسن و جمال پرستی نے انسانی جذبات کو نہایت لطیف اور نازک خیال و زود اشتعال بنا دیا تھا۔ اسی لیے ذرا سی تحریک سے یہ شعلہ بھڑک اٹھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایران میں جس قدر عشقیہ شاعری کو ترقی ہوئی کسی اور صنف سخن کو نہیں ہو سکی۔

فارسی شاعری کا باوا آدم رودکی خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ میں غزل کی صنف وجود میں آ چکی تھی۔ عنصری کہتا ہے:

غزل رودکی وار نیکو بود
غزلہائی من رودکی وار نیست

لیکن افسوس ہے کہ اس کی غزلیں کم ملتی ہیں اس کے بعد دقیقی نے بھی غزلیں کہیں۔ ''غزل کی تحریک عشق و محبت کے جذبات سے ہوتی ہے لیکن ایران میں مدت تک جنگی حالات اور شاہ پرستی کا زور رہا۔ اس صنف سخن کی طرف شاعروں نے توجہ مبذول نہیں کی۔ اس لیے ایران میں غزل کی تاریخ اور ترقی تصوف سے شروع ہوتی ہے۔

''تصوف کا تعلق تمام تر واردات قلب اور جذبات سے ہے۔ اس کی تعلیم کی پہلی ابجد عشق و محبت ہے۔ اگر چہ تصوف کی ابتدا تیسری صدی کے آغاز سے ہوئی لیکن پانچویں صدی اس کے اوج شباب کا زمانہ رہا۔ یہی زمانہ غزل کی ترقی کا ہے۔'' (شعر العجم حصہ پنجم شبلی نعمانی)

سب سے پہلے حکیم سنائی نے غزل کو ترقی دی اس کے بعد اوحدی مراغی (متوفی 554ھ) نے غزل کے پیمانے کو جذبات سے لبریز کر دیا اور ساتھ ہی انداز بیان میں زبان کی نزاکت، صفائی، روانی اور سلاست بھی پیدا کی۔ اوحدی کے بعد خواجہ فرید الدین عطار، مولانا روم، عراقی وغیرہ نے غزل کو مزید ترقی دی چونکہ عشق حقیقی کا پہلو ان کے کلام میں غالب رہتا تھا اس لیے ان کی غزلیں عام نہ ہو سکیں۔ تاتاریوں کے حملوں کی وجہ سے تمام ملک کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ چنانچہ اس وجہ سے قصیدہ کا زور گھٹ گیا اور صرف درد اور سوز کے جذبات رہ گئے۔ اسی دور میں شیخ سعدی پیدا ہوئے اور انہوں نے محبت کی واردات نیز حسن و عشق کے جذبات کو غزل میں جگہ دی۔ اس کے بعد خسرو اور حسن نے اس شراب کو تیز تر کر دیا اور پھر سلمان اور خواجو نے غزل کو ترقی دی یہاں تک خواجہ حافظ کہتے ہیں:

استاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس لما
دارد سخن حافظ طرز و روش خواجو

6.3 امیر خسرو

ہندوستان کی قدیم ادبی زبان یعنی سنسکرت، ایران، باستان کی فارسی کی رشتہ دار ہے اور اہل ہند اور اہل ایران ہم نسل ہیں۔ ان کا تعلق آریائی نسل سے ہے۔ موجودہ فارسی کا رواج ہندوستان میں بعد از اسلام اور خاص کر غزنویوں کی سلطنت کے بعد ہوا اور اس کا عروج مغلوں کے زمانہ میں ہوا۔ اور اس زبان میں شعر کہنے والے شعرا میں ایک مشہور شاعر امیر خسرو دہلوی ہیں۔ ان کے والد کا نام سیف الدین دہلوی ہے جو ترکستان کے شہر کش کے رہنے والے تھے۔ وہ مغلوں کے حملہ کی وجہ سے ہندوستان آئے چنانچہ رضا زادہ شفق اپنی کتاب ''تاریخ ادبیات ایران'' میں لکھتے ہیں کہ اول انھوں نے قصبۂ پٹیالی میں سکونت اختیار کی۔ امیر خسرو 651ھ میں پیدا ہوئے۔ خسرو کے والد شمس الدین التمش کے دربار میں رسوخ رکھتے تھے اور ترقی کرتے ہوئے میر سیف الدین شمسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ 658ھ میں وفات پائی۔ خسرو کے والد عالم و فاضل تھے اسی اثر کے تحت انہوں نے بھی علوم و فنون کی تحصیل میں دستگاہ حاصل کی۔ ایام جوانی ہی سے انہیں شعر و سخن کا چسکا لگا ہوا تھا۔

خسرو دہلی میں رہتے تھے اور دہلی کے سلاطین ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور بعض سلاطین کی انہوں نے اپنے اشعار میں مدح بھی کی ہے۔ ان کا ہم عصر مورخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ حسن اور خسرو دونوں ستارے حضرت نظام الدین اولیاءؒ جیسے آفتاب عالم کے عکس کا پرتو ہیں اور یہ ان ہی کا فیض تھا جس نے لوگوں کو ان کی طرف رجوع کیا۔ علامہ شبلی نے بھی شعر العجم میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مصنف تاریخ جلالی نے اس کو افسانوی رنگ دیا ہے۔ جس

کا حوالہ ہمیں شعرالعجم کی جلد دو میں ملتا ہے۔خسرو نے حضرت نظام الدین اولیاؒ ہی سے سلوک' طریقت' ریاضت اور درویشی کی تعلیم حاصل کی تھی۔خسرو نے خاص طور پر شاعری میں خاقانی' نظامی اور سعدی کو اپنے پیش نظر رکھا۔خصوصاً غزل میں سعدی کی غزل کی پیروی کی۔چنانچہ خود کہتے ہیں:

جلد سخنم دارد شیرازہ شیرازی

لیکن اس کے باوجود خسرو کا سبک سب سے علحدہ ہے اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہ طرز تمام ہندوستانی شاعروں میں نظر آتا ہے۔اس طرز کو ''سبک ہندی کا نام'' دیا گیا ہے۔

6.3.1 شاعری

امیر خسرو کا دیوان جس میں زیادہ تر قصیدے سلاطین دہلی کی مدح میں ہیں' پانچ حصوں میں منقسم ہیں۔

1. **تحفة الصّفر :**

اس میں زیادہ تر غزلیں' قصیدے اور ترجیع بند ہیں اور اس دیوان کے بیشتر قصیدے غیاث الدین بلبن' اس کے بیٹے اور حضرت نظام الدین اولیاء کی مدح میں ہیں۔

2- **وسط الحیٰوة :**

یہ شاعر کی بیس اور تیس سال کی درمیانی عمر کا کلام ہے۔قصیدے حضرت نظام الدین اولیاء بلبن اعظم کے بیٹوں نصرت الدین محمد اور سلطان محمد کی مدح میں ہیں۔

3. **عُزة الکمال :**

یہ شاعر کی تیس اور چالیس سالہ عمر کا کلام ہے۔اس کے مقدمہ میں فارسی شعر کے محاسن گنائے گئے ہیں۔اس میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ۔ سلطان معزالدین کیقباد' جلال الدین فیروز شاہ کے جانشینوں' رکن الدین اور علاء الدین کی مدح کی گئی ہے۔

4. **بقیه نقیه :**

یہ شاعر کے بڑھاپے کا کلام ہے۔اس میں علاء الدین محمد شاہ اور دوسرے امراء کی مدح کی گئی ہے۔

5. **نهایته الکمال :**

یہ خسرو کے آخری دنوں کا کلام ہے۔اس میں سلطان غیاث الدین تغلق کی مدح میں قصیدے موجود ہیں۔اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کا مرثیہ بھی شامل ہے۔

خسرو کی غزل کا موضوع عشق و محبت ہے۔اس میں آرزوئے دید' ہجران یار' نرگس بیمار' زلف کمنداناز' کبکِ خوش خرام وغیرہ کا بیان ہے۔خسرو نے چشم زیبا اور اس کے احوال و اشکال کی خوب داد دی ہے۔خسرو نے نظامی گنجوی سے عقیدت کی بنا پر ان کی تقلید میں خمسہ کہا۔غزل میں انہوں نے نئے نئے مضامین اور اسالیب کو برتا ہے۔خسرو کے پاس رعایت لفظی بہت ہے اس کے ساتھ ساتھ وصف نگاری بھی پائی جاتی ہے۔انہوں نے روزمرہ اور محاورہ کو بھی استعمال کیا ہے۔ان کے علاوہ امیر خسرو کی اور بھی تصانیف ہیں۔مثلاً قرآن السعدین' نہ سپہر' مفتاح الفتوح یہ سب کتابیں ہندوستان کے سلاطین کے حالات اور اوصاف پر مبنی ہیں۔

انہیں فن انشاء پر بھی عبور حاصل تھا۔اس موضوع پر ان کی ایک کتاب رسائل الاعجاز کے نام سے مشہور ہے۔

جب نظام الدین اولیاؒ کے انتقال کی خبر خسرو کو ملی تو دیوانہ وار انہوں نے ایک نعرہ لگایا' دہلی گئے اور جب حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر پہنچے تو کہا ''سبحان اللہ آفتاب در زمین و خسرو زندہ'' یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔چھ مہینے گریہ وزاری کرتے رہے اور اسی طرح اس جہان فانی سے گزر گئے۔آپ کا مزار حضرت نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ کے احاطہ میں ہے جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. امیر خسرو کہاں کے رہنے والے تھے؟
2. امیر خسرو کے طرز کو کیا کہا جاتا ہے؟
3. خسرو نے نظم کی کن اصناف میں طبع آزمائی کی ہے؟
4. خسرو کے ہم عصر شاعر کا نام بتایئے اور یہ بھی بتایئے کہ انہیں کس ولی کامل سے عقیدت تھی؟

6.4 حافظ شیرازی

نام شمس الدین محمد اور حافظ تخلص تھا۔ جنہیں لسان غیب کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں 761ھ کے قریب شیراز میں پیدا ہوئے۔ بعض تذکروں میں حافظ کے والد کا نام بہاء الدین لکھا ہے۔

حافظ نے متداولہ علوم کی تحصیل اپنے وطن میں ہی کی حافظ کو قرآنی آیات پر عبور تھا اور انہوں نے قرآن حفظ کرلیا تھا۔ اسی رعایت سے اپنا تخلص حافظ رکھا۔ ان کے بعض اشعار اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ
بقر آنی کہ تو در سینہ داری

حافظ کا زمانہ بڑے انقلاب اور خونریزی کا زمانہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس زمانہ میں علما' فضلا' اولیا شعرا اور ادبا فارس میں بکثرت موجود تھے خاص طور پر حافظ کی صدائے سخن ملک کے گوشے گوشے میں گونج رہی تھی۔ شاہ شجاع اور آل مظفر کا آخری بادشاہ شاہ منصور خصوصاً حافظ کے ممدوح و سرپرست رہے ہیں۔ جلال الدین شاہ شجاع خود بھی ادبی ذوق اور شاعرانہ مزاج رکھتا تھا۔ حافظ نے اپنے کلام میں کئی جگہ اس بادشاہ کا ذکر کیا ہے۔

شاہ منصور بن شرف الدین مظفر بن مبارز الدین اس شاعر کا آخری ممدوح رہا ہے۔ اس بادشاہ نے حافظ کی خاص طور پر سرپرستی کی تھی اور اسی کے زمانہ میں ان کے کلام کی شہرت اپنے انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی۔

تاریخ فرشتہ کے مصنف کی روایت ہے کہ دکن کی بہمنی سلطنت کے پانچویں حکمران محمود شاہ بن حسن نے جو علم دوست اور ادب پرور تھا' حافظ کو اپنے ملک میں بلانا چاہا۔ حافظ سفر کے ارادے سے کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ حافظ واپس ہو کر کشتی سے اتر گئے اور ایک غزل بادشاہ کو لکھ بھیجی جس کا ایک شعر حسب ذیل ہے:

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر
شمیم بادِ مصلیٰ و آب رکن آباد

خواجہ حافظ نے 791ھ میں شیراز میں وفات پائی ان کی تاریخ وفات کسی نے اس طرح کہی۔

چراغ اہل معنی خواجہ حافظ
کہ شمعی بود از نور تجلی
چو در خاک مصلیٰ ساخت منزل
بجو تاریخش از خاک مصلیٰ

6.4.1 شاعری

حافظ اپنے دور کی معاشرتی اور اجتماعی و انفرادی زندگی کا عکس اپنی شاعری میں پیش کرتا ہے اور اپنی زندگی اور اطراف پھیلے ہوئے مظاہر قدرت کا

ذکر کرتا ہے اس کی تشبیہات فطری ہوتی ہیں۔ درخت پر نکلے ہوئے سبز پتے، موسم بہار کی عطر بیزی، برگ گل خوش رنگ، نرگس کی چشم نگراں، سنبل وریحان وغیرہ، فطرت کے ان دلکش مناظر کو حافظ زندگی کی خوشیوں کا مظہر اور پیام بر بناتا ہے۔ پھول کی پنکھڑیوں کی نزاکت اور نکہت اور نسیم بہار کی جاں پروری و آب رکن آباد کی ٹھنڈی ہوائیں ان سب چیزوں میں حافظ کی روح کو سرور ملتا ہے اور وہ اس کا بیان کر کے ہم کو بھی مسرور کر دیتا ہے۔ اس کی نظر سماج کی اچھائیوں اور برائیوں پر بھی ہے۔

پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زانکہ پند تو بہ از در و گہرمی بینم

حافظ نے غزل کے علاوہ قصیدہ و مثنوی کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ حافظ کے کلام میں حسن بیان و خوبی ادا اور شائستگی و لطافت ہے۔ حافظ اپنے خیال کو لفظوں میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ جادو بن جاتا ہے۔ یہ وصف فارسی ادب میں حافظ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کے خاص مضامین جو شعر میں بیان ہوتے ہیں وہ قناعت و گوشہ نشینی، دنیا سے بے نیازی، واعظوں کی ظاہر پرستی، رندی اور مستی ہے آج تک ان مضامین کے حوالے سے حافظ کا جواب نہیں ملتا۔ حافظ کا یہ خاص وصف ہے کہ وہ ہر قسم کے علمی، اخلاقی، فلسفیانہ مضامین اپنی غزل میں ادا کرتا ہے۔ پھر بھی غزل کی لطافت میں فرق نہیں آتا بلکہ فلسفیانہ خیالات اس کی غزل میں داخل ہو کر رنگین و لطیف بن جاتے ہیں۔

حافظ کا کلام اس کے جذبات اس کے ماحول اور حالات کی پوری پوری ترجمانی کرتا ہے اور سننے والے کو پوری طرح متاثر کرتا ہے۔ حافظ واردات عشق کو ایک فن شریف سمجھتا ہے۔ محبوب کو ترک شیرازی کہتے ہوئے اس پر سمرقند و بخارا نچھاور کرتا ہے۔ اور کبھی اس کے محراب ابرو کو نماز میں خلل ڈالنے والا سمجھتا ہے۔

حافظ کے کلام کی جان فلسفہ ہے وہ زندگی کی تلخیوں کو اپنے لیے اور اوروں کے لیے گوارا بنانا چاہتا ہے۔ حافظ کے مطابق کائنات کی ہزاروں گرہیں کھولنے کے بعد بھی زندگی ایک راز ہے۔

حدیث از مطرب و مئے گو وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمارا

وہ عیش امروز کو غم فردا پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کے اشعار ہماری ڈوبتی نبضوں کو سہارا دیتے ہیں۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

کہہ کر حافظ نہ صرف انسان کی برتری بلکہ اس کو اپنے فرض کا بھی احساس دلاتا ہے۔ اس کے کلام میں بلا کی اُپج ہے۔ وہ عیش پرستی نہیں عیش کوشی کی دعوت دیتا ہے۔ فرصت حیات کو غنیمت سمجھنے اور زندگی کو ہنسی خوشی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ خود خوش رہنے اور دوسروں کو خوش رکھنے کے مسلک پر گامزن ہے۔ اس نے کبھی ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی۔ اس کے کلام میں شدید قسم کی تقدیر پرستی بھی ملتی ہے۔ اس کے پاس عشق و محبت کی سرخوشی اور ہمہ گیر جذبہ کی لطافت سے پیدا ہونے والے احساسات کا کیف و سرور ہے۔ دوسری طرف المناکی اور بے چینی بھی ہے۔

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست
کہ مادو عاشق زاریم و کار مازاریست

حافظ انسانوں کو دوستی و آشتی کی تعلیم دیتا ہے۔ حافظ کو جہاں دنیا میں بہت شہرت حاصل ہوئی وہیں اس پر پیہم اعتراضات بھی کیے گئے۔ بعض علما نے اس پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کیا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. حافظ شیرازی کا پورا نام کیا تھا؟

2. حافظ کس دور کے شاعر ہیں؟

3. حافظ کے کلام کے اہم پہلو کیا ہیں؟

6.5 غزلیات

6.5.1 امیر خسرو دہلوی

بخوبی ھمچو مہ تابندہ باشی
بہ ملک دلبری پایندہ باشی

من درویش را کشتی بہ غمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی

جفا کم کن کہ فردا روز محشر
بروی عاشقاں شرمندہ باشی

زقید دو جہاں آزاد باشم
اگر تو ھمنشین بندہ باشی

جہاں سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر در خندہ باشی

بہ رندی و بہ شوخی ھمچو خسرو
ہزاراں خان و مان بر کندہ باشی

تشریح اشعار:

بخوبی ھمچو مہ تابندہ باشی
بہ ملک دلبری پایندہ باشی

تو چاند کی طرح تابندہ وروشن ہے اور محبت کی دنیا میں تو سدا زندہ و پایندہ رہے۔ خسرو اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ تو خوبصورتی و حسن میں چاند کی طرح ہے خدا کرے تیری عمر دراز ہو اور تو اس محبت کی دنیا میں ہمیشہ قائم رہے۔

من درویش را کشتی بہ غمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی

خسرو ایک صوفی شاعر ہونے کے ناطے اپنے آپ کو درویش کہہ رہا ہے۔ کہتا ہے تو نے مجھ درویش کو اپنے ناز و ادا سے مار ڈالا۔ تیرے غمزے کا میں شکار ہو گیا ہوں تو نے اپنی نت نئی اداؤں سے مجھے مارا ہے۔ مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔

''**کل یوم ھو فی شان**'' کی تفسیر ہے۔ میں تیرے اس کرم کا معترف ہوں اور تجھے زندہ رہنے کی دعوت دیتا ہوں۔

جفا کم کن کہ فردا روز محشر
بروی عاشقاں شرمندہ باشی

خسرو اپنے محبوب سے مخاطب ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو اس طرح اپنے چاہنے والوں پر جفا مت کر کیونکہ ایک دن سب چیزوں کا حساب دینا پڑے گا۔ جب کل روز قیامت برپا ہوگا۔ تو تجھے اپنے عاشقوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور تو شرمندہ ہوگا۔

زقید دو جہاں آزاد باشم
اگر تو ھمنشین بندہ باشی

شاعر کہتا ہے کہ اگر تو میرے قریب بیٹھ جائے تو میں دو جہاں کی قید سے آزاد ہو جاؤں گا۔ تیری قربت میرے سارے دکھوں کا مداوا ہو جائے گی۔ کسی کا شعر ہے:

تیرا ملنا ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا جہنم کیا

جہاں سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر در خندہ باشی

تو اپنے ناز و ادا کی بجلی گرا کر تمام دنیا کو جلا دیتا ہے جب تو ناز و ادا دکھانے لگتا ہے اور جس وقت تو ہنستا ہے تو تیرے منہ سے شکر گرنے لگتی ہے۔ یعنی تیرا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ کر ہر ایک دل مسرور ہوتا ہے۔

بہ رندی و بہ شوخی ھمچو خسرو
ہزاراں خان و مان بر کندہ باشی

شاعر کہتا ہے کہ خسرو کی طرح رندی اور شوخی سے تو نے ہزاروں لوگوں کی جان لے لی ان کے گھر تباہ کر دیے۔ ہر کس و ناکس تیری شوخ اداؤں کو دیکھ کر تیرا عاشق ہو جاتا ہے اور پھر وہ تیرے سوا کسی کی خبر نہیں رکھتا۔ وہ گھر بار ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

6.5.2 غزل حافظ شیرازی

گل بی رخ یار خوش نباشد — بی بادہ بہار خوش نباشد
طرف چمن و ھوائی بستان — بی لالہ عذار خوش نباشد
رقصیدن سرو و حالت گل — بی صوتِ ھزار خوش نباشد
باغ گل و مل خوش است لیکن — بی صحبت یار خوش نباشد
جان نقد محقر است حافظ — از بہر نثار خوش نباشد

تشریح اشعار

1. گل بی رخ یا خوش نباشد — بی بادہ بہار خوش نباشد

حافظ کہتا ہے کہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتی ہیں۔ اگر گلستان میں پھول کھلے ہوئے ہیں اور وہاں محبوب موجود نہیں ہے تو پھولوں کی خوبصورتی کو دیکھ کر دل خوش نہیں ہوگا اور بہار کے موسم میں اگر دور شراب نہ ہو تو بہار کا موسم بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا اور شاعر کے لیے موسم بہار میں گلستان، محبوب اور شراب یہ تینوں چیزیں موسم کا لوازمہ ہیں اور ان کے بغیر اس موسم کا لطف ہی نہیں آ سکتا۔ اقبال نے اپنی نظم میں کہا ہے۔

چہ خواہم درین گلستان گر نہ خواہم
شرابی ' کتابی ' ربابی نگاری

2. طرف چمن وہوائی بستان بی لالہ عذار خوش نباشد

شاعر کہہ رہا ہے کہ چمن ہو گلستان میں ہوا چل رہی ہو اور اس وقت محبوب موجود نہ ہو تو اس موسم کا کچھ لطف ہی نہیں آ سکتا۔ بغیر محبوب کی موجودگی کے کوئی چیز بھی اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

دوزخ مجھے قبول ہے ہمراہ یار کے
جنت میں جا کے ہجر کے صدمے اٹھائے کون

3. رقصیدن سرو وحالت گل بی صوت ہزار خوش نباشد

شاعر کہتا ہے کہ سرو کا درخت رقص کر رہا ہے (ہوا سے ہل رہا ہے جس کو سرو کے رقص سے تعبیر کیا ہے) یعنی سرو خوشی سے موسم بہار میں ناچ رہا ہے۔ بلبل کو شاعر صوت ہزار کہہ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ سب منظر بغیر بلبل کے یعنی بغیر محبوب اچھا نہیں لگتا اور سونا دکھائی دیتا ہے۔ یعنی محبوب ہو اور اس کا عاشق نہ ہو تو محبوب کے حسن کو دیکھنے والا اس سے محبت کرنے والا ہی کوئی نہیں رہتا۔

4. باغ گل و مل خوش است لیکن بی صحبت یار خوش نباشد

باغ میں پھول ہوں تو یہ اچھا ہے لیکن محبوب کی صحبت کے بغیر اچھا دکھائی نہیں دیتا۔ موسم بہار میں گلستان میں پھول کھلے ہیں وہاں محبوب موجود نہیں ہے تو موسم بہار کا مزا ہی نہیں آتا۔

5. جان نقد محقّر است حافظ از بہر نثار خوش نباشد

حافظ کہتا ہے کہ محبوب کے مقابلہ میں میری جان ایک حقیر چیز ہے اگر اسے میں اس پر سے نثار کردوں تب بھی یہ بہت کم ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

6.6 خلاصہ

چھٹی اکائی میں غزل سے متعلق بحث کی گئی ہے پہلے اس کی تمہید اس کے بعد اس کی تعریف اور اس کا ارتقا بتایا گیا ہے۔ غزل میں شامل مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسے تصوف، عشق ومحبت، فلسفہ وغیرہ اور اس کے سوز وگداز سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد نصاب میں شامل دو شعرا امیر خسرو اور حافظ شیرازی کے حالات زندگی اور ان کی غزل کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے۔

ہر شاعر اپنے زمانے کا ترجمان ہوتا ہے چنانچہ حافظ وخسرو بھی اپنے زمانہ کے حالات سے متاثر ہیں ان کی غزلیات میں ان کے دور کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ان کی غزلیات کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ حافظ کے کلام میں عشق ومحبت کے ساتھ تصوف بھی ہے اسی طرح خسرو کی غزل میں مجاز کے ساتھ حقیقت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان غزلیات کے مشکل الفاظ کے معنی فرہنگ کے طور پر دیے گئے اور اس پر امتحانی سوالات کا نمونہ بھی دیا گیا۔ آخر میں کچھ کتابوں کی سفارش کی گئی ہے جو اس مطالعہ میں مدد دے سکتی ہیں۔

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

1. فارسی زبان میں غزل کا مقام متعین کیجیے۔
2. امیر خسرو کے حالاتِ زندگی اور شاعری پر روشنی ڈالیے۔
3. حافظ شیرازی کے حالات زندگی اور خصوصیت غزل پر مکمل بحث کیجیے۔
4. حسب ذیل اشعار کا مطلب متن کے حوالے سے کیجیے:

جفا کم کن کہ فردا روز محشر
بروی عاشقان شرمندہ باشی

جہان سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر درخندہ باشی

رقصیدن سرو و حالت گل
بی صوت ہزار خوش نباشد

طرف چمن و ہوائے بستان
بی لالہ عذار خوش نباشد

6.8 فرہنگ

ملک دلبری	=	محبت کی دنیا	غمزہ	=	ناز وادا
فردا	=	آنے والا کل (Tomorrow)	ہم نشین	=	ساتھ بیٹھنے والا (Companion)
بادہ	=	شراب	بی	=	بغیر
خوش نباشد	=	اچھا نہیں معلوم ہوتا	رُخ	=	چہرہ
بستان	=	باغ	لالہ عذار	=	پھول جیسے گال والا (محبوب)
رقصیدن	=	ناچنا	بہر نثار	=	صدقہ اتارنے کے لیے۔ نچھاور کرنے کے لیے
نقد محقر	=	حقیر چیز			

6.9 سفارش کردہ کتابیں

شبلی نعمانی — شعر العجم (جلد دوم و پنجم)

رضازادہ شفق (ترجمہ: مبارز الدین رفعت) — تاریخ ادبیات ایران

اکائی: 7 رباعی

ساخت

7.1 تمہید

7.2 رباعی کی تعریف

7.3 عمر خیام

7.3.1 شاعری

7.4 ابوسعید ابوالخیر

7.4.1 شاعری

7.5 جامی

7.5.1 شاعری

7.6 تشریح رباعیات

7.6.1 خیام

7.6.2 ابوسعید ابوالخیر

7.7 خلاصہ

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.9 فرہنگ

7.10 سفارش کردہ کتابیں

7.1 تمہید

اکائی (7) رباعی سے متعلق ہے۔ اصناف شعر میں رباعی ایک مشکل صنف سخن جانی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ رباعی کا فن بے انتہا فنی ریاضت چاہتا ہے۔ فارسی اور اردو شاعری میں رباعی گوئی میں بے حد صحت مند روایت موجود ہے۔ فارسی میں عمر خیام' ابوسعید ابوالخیر اور اردو میں انیس و جوش اور فراق کی رباعیات محتاج تعارف نہیں ہیں۔

اس اکائی میں ہم رباعی کی تعریف اور اس کے ارتقا کے متعلق معلومات حاصل کریں گے اس کے علاوہ اہم رباعی گو شعرا عمر خیام' ابوسعید ابوالخیر اور جامی کی رباعی کی خصوصیات کا جائزہ لیں گے اور نصاب میں شامل رباعیات کی تشریح کریں گے۔ نمونے کے امتحانی سوالات بھی دیئے جا رہے ہیں۔ آخر میں الفاظ کی فرہنگ اور سفارش کردہ کتب کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

7.2 رباعی کی تعریف

ربع عربی میں چار کو کہا جاتا ہے اور رباعی ایسی نظم کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مشتمل ہو۔ کہنے کو تو رباعی صرف چار مصرعوں کی نظم ہوتی ہے لیکن اس کی بہت سی شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ رباعی اپنے خاص وزن میں ہو۔ جو یہ ہے:

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

فارسی زبان میں سب سے پہلے جس نے رباعی لکھی وہ رودکی ہے۔ رودکی کو اسی طرح فارسی شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے جیسے انگریزی شاعری میں چاسر کو کہتے ہیں۔ اس کا نام ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی تھا۔ وہ سمرقند کا رہنے والا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن رودکی بیٹھا ہوا تھا اور بچے کھیل رہے

تھے۔یکا یک ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے میں جا گرا۔بچے کی زبان سے فوراً نکلا۔غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گور۔
بعد میں یہی رباعی کا وزن قرار پایا اور اسی وزن پر رودکی نے رباعیاں کہیں۔اس کا وزن بھی تقریباً

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

کے برابر ہے۔رودکی کا کلام ہمیں بہت کم ملتا ہے اور اس کی کوئی رباعی نہیں ملتی۔

اگر کوئی چار مصرعوں کی نظم اس سے ہٹ کر کسی اور بحر میں لکھی جائے تو اسے رباعی نہیں کہیں گے۔اس میں پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے اور تیسرے کے لیے لازم نہیں کہ ہم قافیہ ہو۔اگر ہم قافیہ ہو جائے تو اس کو مربع کہتے ہیں۔رباعی کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے چاروں مصرعوں کا ایک ہی مضمون ہو۔اس کے چاروں مصرعوں کو ملا کر صرف ایک مطلب نکلتا ہو۔چوتھی اور آخری شرط یہ ہے کہ پہلے تین مصرعوں میں مطلب کے لیے ذہن کو تیار کیا جائے اور چوتھے مصرعے میں اصل مضمون کو بیان کیا جائے۔

رباعی کو دوبیتی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں دو شعر ہوتے ہیں اور ان ہی دو اشعار میں پورا پورا مطلب ادا کیا جاتا ہے۔اور رباعی کو ترانہ بھی کہا جاتا ہے عام طور پر رباعی میں حکیمانہ یا صوفیانہ' مذہبی' پند و نصائح کے مضامین بھی بیان کیے جاتے ہیں اور ان میں غزل جیسی معنویت اور جامعیت ہوتی ہے۔ لیکن خیام نے جو فارسی کا سب سے بڑا رباعی گو شاعر سمجھا جاتا ہے اپنی رباعیوں کو مے کشی اور عشق و مستی کے رنگین مضامین سے بھر دیا ہے۔جیسے اس نے اپنی ایک رباعی میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

ای برہی سروِ روانِ عالم پیروز
دانی کہ چہ وقت می بود روح افروز
یکشنبہ و دوشنبہ و سہ شنبہ و چار
پنجشنبہ و آدینہ و شنبہ شب و روز

اور مے نوشی کے لیے بھی اس نے ضابطہ بنایا ہے کہ کب پینی چاہیے کس کے ساتھ پینی چاہیے اور کیسے پینی چاہیے؟

گر بادہ خوری تو با دخرد منداں خور
یا باصنم سادہ رخ و خنداں خور
بسیار مخور درد مکن فاش مساز
کم کم خور و گہ گہ خور و پنہاں خور

حافظ شیرازی کی رباعیاں بھی خیام کی ہم رنگ ہیں۔تاہم ابوسعید ابوالخیر کی رباعیاں صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہیں۔آخری دور کے شاعروں میں ابن یمین اور شیخ علی حزین نے رباعی گویوں کی حیثیت سے شہرت حاصل کی سوائے خیام کے تقریباً ہر شاعر نے رباعی کے علاوہ کثرت سے غزلیات' قصائد مثنویات اور قطعات لکھے۔لیکن خیام نے رباعی کے سوا کچھ نہیں لکھا۔فارسی زبان میں شروع ہی سے اس صنف سخن کو بہت ترقی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

7.3 عمر خیام

ہر زمانے میں معاشرت و تمدن میں جو فرق آتا ہے اس کا اثر ادب پر پڑتا ہے۔لیکن ادب کی مستقل قدریں نہیں بدلتیں کیونکہ انسان کی فطرت اور اس کے احساسات و جذبات ہمیشہ ایک ہی سے ہوتے ہیں۔صرف ان کے اظہار کا طرز بدل جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم آج سے صدیوں پہلے کے ادب کو پڑھ کر اسی طرح محظوظ ہوتے ہیں جس طرح کہ آج کے ادب کو پڑھ کر۔یوں تو دنیائے ادب میں ہر دور میں کئی صاحب قلم پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں صرف ان ہی لوگوں کے کارنامے دائمی زندگی کے حامل ہوتے ہیں جن کو پڑھ کر ہم محسوس کرتے ہیں کہ ''میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے'' اور ان کے کارنامے دنیائے ادب میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ان ہی میں سے خیام بھی ہے۔اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود لوگ اس کی رباعیات پڑھتے

ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں اور اس میں اپنی روح کی تسکین کا سامان تلاش کرتے ہیں۔

خیام کا نام غیاث الدین ابوالفتح عمر اور تخلص خیام تھا۔ اتفاق رائے اس پر ہے کہ اس کا آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ اس لیے اس نے یہ تخلص اختیار کیا۔ خود خیام کی رباعیات میں جس خیمہ دوزی کی طرف اشارہ ہے وہ صرف خیمہ ہائے حکمت تک محدود ہے۔

خیام کہ خیمہ ہائے حکمت می دوخت
در کوزہ غم فتادہ ناگاہ بسوخت
مقراض اجل طناب عمرش ببرید
دلال قضا بہ رائگانش بفروخت

تاریخ ولادت صحیح طور پر نہیں معلوم ہو سکی البتہ نظام الملک طوسی کی ایک تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خیام نظام الملک کا ہم عمر یا قریب العمر تھا۔ چونکہ نظام الملک کی تاریخ ولادت اکثر مورخین نے 1208ء بتائی ہے۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ خیام نے 408ھ کے ماقبل یا مابعد اس کائنات آب وگل میں قدم رکھا ہوگا۔ خیام نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ بجز چند سال' عمر کا سارا حصہ یہیں گذارا اور یہیں خواب استراحت میں محو ہے۔ اس کے زمانے میں ایران کی زمام حکومت خاندان سلاجقہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے ایک بہت بڑے عالم موفق نیشاپوری کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ ان کے متعلق یہ روایت مشہور تھی کہ جو کوئی بھی آپ کے آگے زانوائے ادب تہہ کرتا صاحب ثروت بن جاتا تھا۔ خیام کے ساتھ نظام الملک اور حسن بن صباح امام موصوف کے حلقہ تعلیم میں داخل تھے۔ ان میں رابطۂ محبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص بڑے عہدے پر فائز ہوگا تو اپنے ساتھیوں کو بھی اپنی دولت کا شریک بنائے گا۔ نظام الملک ترقی کرتے ہوئے الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر بن گیا اور اس کے انتقال کے بعد ملک شاہ سلجوقی سریر آرا ہوا تو وہ کل سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ خیام کو جب یہ معلوم ہوا تو نظام الملک کے پاس گیا اور اس نے بڑے احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اسے اپنا عہد یاد آ گیا۔ خیام سے پوچھا تو اس نے معمولی ذریعۂ معاش کی خواہش کی۔ نظام الملک نے اس کے لیے ایک ہزار دوسو تومان کی جاگیر نیشاپور میں مقرر کی۔ خیام پھر نیشاپور واپس ہو کر تحصیل علوم وفنون میں مصروف ہو گیا۔ اس نے فن ہیئت وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ خیام صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ مختلف علوم وفنون میں بھی اسے دستگاہ حاصل تھی۔ چنانچہ تفسیر' حدیث' فلسفہ' لغات' قصہ' تاریخ' فن' قرات' ریاضی' نجوم اور علم ہیئت میں اس کا مرتبہ بلند تھا۔ فلسفۂ یونان سے اس کو خاص لگاؤ تھا۔ لغات وادبیات عربی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔

افسوس ہے کہ خیام کے علمی کارنامے باقی نہ رہے۔ چند تصانیف جن کا ابھی تک پتہ چلتا ہے وہ تقویم جلالی' زیج ملک شاہی' الجبرا بزبان عربی' علم طبیعیات میں ایک مختصر رسالہ ''درباره حکمت الخالق فی خلق عالم خصوصاً الانسان وتکلیف الناس بالعبادات'' ہے یہ رسالہ مصر میں چھپ چکا ہے۔

شبلی کہتے ہیں کہ سلاطین وامرا خیام سے برابری کا برتاؤ کرتے تھے۔ شمس الملک خاقان بخاری اس کو تخت پر اپنے برابر بٹھاتا تھا۔ ملک شاہ اس سے تعلقات رکھتا تھا۔

خیام کی وفات کے متعلق ایک عجیب قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز وہ بوعلی سینا کی کتاب ''الشفا'' کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب وحدت وکثرت کی بحث پر پہنچا تو کتاب ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ نماز پڑھی اور یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ اے خدا میں نے تجھے اپنی طاقت کے مطابق پہچاننا چاہا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے متعلق میرا اتنا ہی علم ہے جتنی میری طاقت ہے۔ تاریخ وفات 1517ء بتائی جاتی ہے۔

7.3.1 شاعری

خیام کا تمام تر سرمایہ ایک مجموعۂ رباعیات ہے جو افق مشرق ومغرب پر ماہ کامل کی طرح درخشاں ہے۔ سوائے قطعہ کے اور کوئی فارسی نظم اس کی یادگار اس وقت باقی نہیں۔ البتہ عربی زبان میں بہت شعر کہے ہیں۔

اس سے پہلے رباعی گو شعراء میں شہید بلخی' ابوسعید ابوالخیر' رودکی' ابوشکور بلخی گزرے ہیں۔ ان سب میں خیام کی ہی رباعیات زیادہ مشہور ہوئیں۔ خیام کی رباعیات میں گلاب کی رنگینی' شبنم کی نزاکت اور قوس قزح کی مسکراہٹیں جمع ہیں۔ بعض وقت سادگی اور انداز بیان سے بلندی مطالب کے متعلق غلط فہمی ہوتی ہے۔ غور سے پڑھا جائے تو پڑھنے والا اپنے آپ کو فکر ونظر کی دوسری دنیا میں پاتا ہے۔

خیام کی رباعیات اگرچہ کہ سینکڑوں ہیں لیکن سب کی قدر مشترک صرف چند مضامین ہی ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلہ جبر وقدر، توبہ واستغفار ان میں سے ایک ایک مضمون کو سو سو دفعہ برتا ہے۔ لیکن ہر دفعہ کچھ اس طرح کہتا ہے کہ روح تو وہی رہتی ہے پیکر بدل جاتا ہے۔

ہم کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جانا ہے؟ خیام تمام عمر یہی سوچا کرتا تھا۔

در پردۂ اسرار کسے را راہ نیست
زیں بقیہ جاں ہیچ کس آگاہ نیست
جز در دل خاک ہیچ منزل گاہ نیست
افسوس کہ این فسانہ ہم کوتاہ نیست

خیام نے وحدت الوجود کی ایک نئی ہی تعبیر کی ہے۔ کہتا ہے کہ تمام عالم ایک ہے۔ خدا اس کی روح ہے، فرشتے اس کا جسم ہیں اور باقی کائنات اس کے اعضا ہیں۔ کبھی خدا کو جہاں کی جان اور کبھی خود کو جہاں کی جان کہتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں اور تو پرکار کا نمونہ ہیں۔ ہمارے سر علحدہ ہیں اور جسم دائرہ کی طرح ہے۔ آخر کار ہم پھر مل جائیں گے۔ اور کبھی کہتا ہے کہ خدائے حاضر وناظر کا میں ہی مظہر ہوں۔ اس لیے تیرا مسجود ہوں۔ محبوب حقیقی کو ہر شخص اپنا ہی سمجھتا ہے۔ کوئی صاحب نظر ایسا نہیں جو اس کا شیدا نہ ہو اور اس کے سر میں اس کا سودا نہ ہو۔ خیام کے دل پر دنیا کی بے ثباتی کا بہت گہرا اثر ہے۔

اس مضمون پر اس کی کئی رباعیات ہیں کبھی کہتا ہے یہ پرانی سرائے جس کا نام دنیا ہے اور جو ابلق صبح وشام کی آرام گاہ ہے۔ یہ ایسی بزم ہے جس میں صدہا جمشید آئے اور چلے گئے:

ایں کہنہ رباط را کہ عالم نام است — آرام گہہ ابلق صبح و شام است
بزمست کہ وا ماندۂ صد جمشید است — قصر یست کہ تکیہ گہ صد بہرام است

خیام کو واعظوں سے نفرت ترک میں ملی تھی۔ سچے دوستوں کی کمی ہمیشہ رہی ہر زمانے کے لوگ اپنے دوستوں کی بے وفائی کی شکایت کرتے آئے ہیں خیام یوں کہتا ہے:

شد دعوی دوستی درین دور حرام
الفت زبد کردی کہ دوست مدام
دامن زہمہ کشیدن اولی باشد
از دور بہر یکی سلام است و کرام

خیام کہتا ہے کہ جب مجھے عشق سے منع کیا جاتا ہے تو حسن کو کیوں پیدا کیا۔ تو نے محبوب کو اتنا خوبصورت بنایا اور کہتا ہے کہ اس کی طرف نہ دیکھ۔ خیام عیش امروز کو غم فردا پر ترجیح دیتا ہے۔ شراب کو اندوہ ربا تصور کرتا ہے۔ دنیا کا غم فضول ہے عقل مند آدمی دنیا کا غم نہیں کرتا۔ خیام نے جہاں رندانہ مضامین باندھے ہیں وہیں حکمت واخلاق کے صدہا موتی بھی پروئے ہیں۔ کہتا ہے:

1 خواہی کہ ترا رتبہ ابرار رسد — 3 از مرگ میندیش وغم رزق مخور
2 مپسند کہ کس راز تو آزار رسد — 4 بس ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

خیام کے کلام کی عظمت، شیرینی اور ہمہ گیری کا اندازہ نقادوں کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ فارسی زبان کو دوسری زبان والے اس لیے پڑھتے ہیں کہ گلستان سعدی، شاہنامہ فردوسی، دیوان حافظ اور رباعیات خیام کا مطالعہ کرسکیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. عمر خیام کا پورا نام کیا تھا؟

2. خیام کا وطن کون سا تھا؟
3. خیام کا پیشہ کیا تھا؟
4. خیام کس صنف سخن کا شاعر ہے؟
5. خیام کی شاعری میں صوفیانہ عناصر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
6. خیام کی شاعری کی خصوصیات لکھیے۔
7. رباعی کی کیا خصوصیت ہیں؟
8. رباعی کا دوسرا نام کیا ہے؟

7.4 ابوسعید ابوالخیر

ان کا پورا نام شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر تھا۔ بابا طاہر عریاں کے ہم عصر تھے۔ یہ خراسان کے نواح میں 357ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی اس کے بعد مرو گئے۔ یہاں ابوعبداللہ الحضرمی کی شاگردی اختیار کی۔ اس کے بعد مختلف بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ مشہور صوفی بزرگ ابوعبدالرحمٰن سلمی (متوفی 412ھ) سے خرقہ طریقت حاصل کیا۔ ان کو صوفیانہ شاعری کا اولین شاعر مانا جاتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اقوال معرفت و اسرار اپنے قطعات اور مثنویوں میں بیان کیے ہیں۔ ان کے پوتے نور محمد نے اپنی کتاب الاسرار التوحید میں ان کو یکجا کر دیا ہے۔

7.4.1 شاعری

صوفیانہ عقائد ابوسعید کے اخلاق اور کردار میں رچ بس گئے تھے۔ وہ خوش زبان، شیریں بیان اور مہربان تھے۔ تونگروں سے مال لے کر درویشوں میں لٹا دیتے تھے۔ سب کے دوست تھے دل میں کینہ کو کبھی جگہ نہیں دیتے تھے۔ صوفیوں کے مشہور عقائد یہ ہیں کہ علم کے کئی مراتب ہیں۔ پہلا حسی تجربہ یا آزمائش، دوسرا استدلال علم یا معرفت، تیسرا شہود یا دیدار۔ بوعلی سینا منطق یا حکمت کا استاد تھا۔ اس نے عقلی دلائل کی بنیاد پر طریقۂ مشاء پر بحث کی۔ ابوسعید اشراق کا ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے علم کو مقام شہود پر پہنچانا چاہا۔ عرفان میں جو ذوق وحدت ہے اسی کے زیر اثر شیخ دوسرے مذہب والوں سے بھی مہر و وفا کا برتاؤ کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید نے 440ھ میں وفات پائی۔ ان کی رباعیات میں وحدت الوجود، وحدت الشہود اور اسی طرح کی تصوف کی باتیں موجود ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. شیخ ابوسعید کا پورا نام کیا تھا؟
2. شیخ کہاں پیدا ہوئے؟
3. شیخ کی رباعیوں کا رنگ کیا ہے؟

7.5 جامی

نورالدین عبدالرحمان جامی کی ولادت 870ھ میں صوبہ خراسان کے ایک قصبہ جام میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نظام الدین دشتی اور دادا کا نام شمس الدین دشتی تھا۔ دشتی کی نسبت اصفہان کے ایک محلہ دشت سے ہے۔ جہاں وہ جام سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ جامی نے اپنا تخلص ایک تو قصبہ جام کی نسبت سے اور دوسرے شیخ الاسلام احمد جام کے حلقۂ ارادت میں شمولیت کی وجہ سے اختیار کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مولدم جام در شہ ٔ قلمم
جرعۂ جام شیخ اسلامیست

لاجرم درجریدۂ اشعار

بد و معنی تخلصم جامیست

بچپن میں جامی اپنے والد کے ساتھ ہرات آئے اس کے بعد سمرقند چلے گئے ۔علم وادب کی تحصیل کی اور دینی علوم اورادب وتاریخ پرعبور حاصل کیا۔ جامی نے اپنی زندگی میں مختلف مقامات کے سفر کیے۔ جوانی میں جام سے شاہ رخ کے زمانہ میں ہرات آئے ۔مولانا سعدالدین کاشغری کے آگے زانوائے ادب تہہ کیا۔ ہرات سے مرو کا سفر اختیار کیا۔خواجہ عبیداللہ احرار سے ملاقات کی پھر خواجہ عبیداللہ سے ملنے کے لیے تیسرا سفر سمرقند سے تاشقند 884ء میں کیا۔خراسان سے حجاز کا سفر 877ء میں کیا پھر ہمدان اور کردستان وبغداد وکربلا معلٰی ونجف اشرف ومدینہ منورہ ومکۂ معظمہ ودمشق وحلب وتبریز گئے اور پھر واپس خراسان آ گئے ۔مولانا نے اپنے اس طویل ترین سفر کا حال ''رشحات عین الحیاۃ'' میں کیا ہے۔سعدالدین محمد کاشغری خواجہ علی سمرقندی اور قاضی زادہ رومی جیسے استادوں اور مرشدوں کی پیروی کی۔ جامی اسی طرح طریقت کے راستے پر چل کر بلند درجات تک پہنچے اور طریقہ نقشبندیہ کے مرشدان کامل میں شمار ہونے لگے۔

جامی کے ہم عصر دولت شاہ سمرقندی کے مطابق جامی نے آخری عمر میں شاعری ترک کردی تھی۔ جامی نے سلطان ابوالغازی سلطان حسین بایقرا کا زمانہ دیکھا تھا۔ یہ سلطان خود ادبی ذوق رکھتا تھا اور ادیبوں کی سرپرستی کرتا تھا۔اس کے دانشمند وزیر میر علی شیر نوائی کی جامی کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی۔علی شیر نے اپنی کتاب خمسۃ المتحیرین میں جامی کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ان کے علاوہ دوسرے سلاطین' سلطان ابوسعید تیموری (855-872ء) 'سلطان یعقوب آق قویلنو (884-896ھ)' جہاں شاہ قراقوینلو (841-872ھ) اور عثمانی ترک محمد فاتح (855-886ھ) کے نام قصائد لکھے ہیں۔

7.5.1 شاعری

جامی نویں صدی کے سب سے بڑے ادیب اور شاعر تھے وہ ایران کے آخری صوفی شاعر تھے۔ جامی کے اشعار میں شعرائے سلف کا رنگ جھلکتا ہے۔ان کی نظم ہفت اورنگ میں انہوں نے نظامی گنجوی کی پیروی کی ہے اور غزلیات میں انھوں نے سعدی' حافظ' خاقانی اور امیر خسرو کی۔ان کا دیوان قصیدے'غزلیں'مرثیے'ترجیع بند'ترکیب بند'مثنویوں اور رباعیوں پر مشتمل ہے۔ جامی نے اپنے دیوان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان کے نام ''فاتحۃ الشباب''،''اوسط العقد'' اور ''خاتمۃ الحیات'' رکھے ہیں: ان کا ہر شعر ان کے ایمان کی دلیل ہے۔انہوں نے خاقانی اور خسرو کا تتبع کیا ہے۔غزل میں خاص کر انھوں نے حافظ کو پیش نظر رکھا ہے۔ مثنویات میں انھوں نے نظامی کو اپنا استاد قرار دیا ہے ہفت اورنگ میں یہ سات مثنویاں ہیں۔ (1) سلسلۃ الذہب۔(2) سلامان وابسال۔(3) تحفۃ الاحرار۔(4) **سبحۃ** الابرار۔(5) یوسف زلیخا۔(6) لیلٰی ومجنوں۔(7) خردنامۂ اسکندری۔

جامی نے فارسی نثر میں بھی اہم کتابیں لکھی ہیں۔

(1) نقدالنصوص فی شرح نقش الفصوص (2) نفحات الانس (3) لوائح (4) لوامع (5) شواہد النبوۃ (6) اشعۃ اللمعات (7) بہارستان۔

جامی نے 898ء میں بمقام ہرات وفات پائی۔نہایت شان وشوکت کے ساتھ جنازہ اٹھا۔

7.6 تشریح رباعیات

7.6.1 خیام

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو
وان کس کہ گناہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بدکنم و توبد مکافات دھی
پس فرق میانِ من وتو چیست بگو

خیام اس رباعی میں فلسفۂ گناہ کا بیان کرتے ہیں کہتے ہیں اس دنیا میں جس نے گناہ نہیں کیا وہ کون ہے؟ کیونکہ آدم کی سرشت میں ہی گناہ شامل

ہے اور پھر کہتا ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا اس نے کس طرح زندگی گزاری۔ میں نے گناہ کیا اور تو نے مجھے گناہ کی سزا دی۔ جب میں برا عمل کرتا ہوں تو تیری طرف سے براصلہ پاتا ہوں۔ پس مجھ میں اور تجھ میں کیا فرق ہے۔

7.6.2 ابوسعید ابوالخیرؒ

باز آ' باز آ ' ھر آنچہ ھستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ابوسعید ابوالخیر اس رباعی میں توبہ کے فلسفہ کو بیان کررہے ہیں وہ ایک صوفی شاعر ہیں۔ کہتے ہیں کہ واپس آ جا' واپس آ جا تو جو کوئی بھی ہو واپس آ جا۔ چاہے تو کافر ہو' دہریہ ہو یا بت پرست ہو باز آ جا۔ کہہ رہے ہیں یہ خدا تعالی کی بارگاہ ہے یہاں سے کوئی بھی مایوس اور ناامید نہیں جاتا اگر تو نے سو بار اپنی توبہ توڑ دی ہے' گناہ کرنے لگا ہے تو پھر گناہوں سے توبہ کرلے اور میری بارگاہ میں لوٹ آ تجھے معافی مل جائے گی۔ یہاں پر جو بھی دل سے توبہ کرتا ہے اس کو معاف کردیا جاتا ہے۔

7.6.3 جامی

ای فضل تو دستگیر من ' دستم گیر
سیر آمدہ ام زخویشتن ' دستم گیر
تاچند کنم توبہ و تا کی شکنم
امی توبہ دہ توبہ شکن دستم گیر

جامی نے بھی اس رباعی میں ابوسعید ابوالخیر کی مندرجہ بالا رباعی کا مضمون بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اے خدا تیرا فضل میری مدد کرنے والا ہے۔ میری دستگیری کرنے والا ہے۔ میں اپنے آپ سے تنگ آ چکا ہوں میرا ہاتھ پکڑ لے اور میری مدد کر۔ میں کتنی دفعہ توبہ کروں اور پھر گناہوں کی ترغیب سے اس کو توڑ دوں۔ اے توبہ کے توڑنے والے کو معاف کرنے والے یا توبہ کی توفیق دینے والے خدا مجھے اتنی طاقت عطا فرما کہ میں گناہوں سے اپنا دامن بچا سکوں۔ میری مدد فرما اور مجھ کو گناہ کرنے سے بچالے۔

7.7 خلاصہ

اکائی (7) رباعی سے متعلق ہے۔ اس میں پہلے رباعی کی تمہید و تعریف لکھی گئی ہے اور اس کے بعد تین رباعی گو شعرا جن کی رباعیات نصاب میں شامل ہیں۔ خیام' ابوسعید ابوالخیر' اور جامی کے حالات زندگی اور ان کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیات کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ تینوں رباعیات تقریباً تصوف کے رنگ میں ہیں اور ان میں گناہ و توبہ کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ فرہنگ اور نمونہ امتحانی سوالات اور سفارش کردہ کتابوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔

7.8 نمونۂ امتحانی سوالات

1. رباعی کے ارتقا و ابتدا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
2. رباعی پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. عمر خیام کی حیات اور شاعری کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

4. ابوسعید ابوالخیر کی صوفیانہ رباعی کے بارے میں لکھیے۔
5. جامی نے کن کن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔

7.9 فرہنگ

خیام

الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی	الفاظ	= معنی
ناکردہ گناہ	= جس نے گناہ نہیں کیا	دریں جہاں	= اس جہاں میں	کیست	= کون ہے
بگو	= کہہ	وان	= وہ جو کہ	کردن	= کرنا
زیستن	= جینا	چون	= کس طرح	بدکردن	= گناہ کرنا
مکافات	= صلہ	میان	= درمیان	چیست	= کیا ہے

ابوسعید ابوالخیر

بازآ	= لوٹ آ۔ واپس آ	ہرآنچہ ہستی	= تو جو کوئی بھی ہو	گبر	= دہریہ
بت پرست	= بت کو پوجنے والا	درگہ	= بمعنی دربار	نومیدی	= ناامیدی
نیست	= نہیں ہے	شکستن	= توڑنا	صد	= سو

جامی

دستگیر	= مدد کرنے والا	دستم گیر	= میرا ہاتھ پکڑ۔ مدد کر	زخویشتن	= اپنے آپ سے
تاچند	= کتنے کب تک	کنم	= میں کروں	تاکئی	= کب تک
شکنم	= میں توڑوں	توبہ شکن	= توبہ توڑنے والا		

7.10 سفارش کردہ کتابیں

1. Prof. Brown — Literary History of Persia
2. شبلی نعمانی — شعرالعجم جلد دوم
3. رضازادہ شفق — تاریخ ادبیات ایران

اکائی : 8 جدید نظم

ساخت

8.1 تمہید

8.2 جدید نظم

8.3 ایرج مرزا

8.4 علامہ اقبال

8.5 تشریح

8.5.1 ایرج مرزا کی نظم ''مادر''

8.5.2 نظم اقبال لاہوری ''کرم کتابی''

8.6 خلاصہ

8.7 فرہنگ

8.8 نمونۂ امتحانی سوالات

8.9 سفارش کردہ کتابیں

8.1 تمہید

اس اکائی میں جدید نظم کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جائے گی۔ جدید ادب میں ہم کو وقت کی پکار کا احساس ہوتا ہے۔

ایران اور ہندوستان ہر دو جگہ تقریباً ایک زمانے میں انقلاب روس کے بعد جدید ادب کی ابتدا ہوئی۔ سامراجیت سے برسر پیکار عوام اپنے جذبات کو نظم کی شکل میں پیش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ آواز ہمیں ایران میں سب سے پہلے قاچاری دور میں سنائی دیتی ہے۔ اس دور میں پروین اعتصامی' ایرج مرزا اور ملک الشعرا بہار' جو خود شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے' قابل ذکر ہیں۔ پہلے تو یہ شعرا دبے دبے الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ بعد میں کھل کر اپنی شاعری میں مسائل کا اظہار کرنے لگے اور بادشاہت کے خلاف آواز اٹھانے لگے۔ پریس کی شروعات سے ان کے جوش و خروش کو بہت مدد ملی۔ کئی شعرا اس زمانہ میں قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گذرے۔ ان تمام حالات کی تفصیل آگے اسی مضمون میں آئے گی۔

8.2 جدید نظم

ٹیلی گراف' ریلوے اور پریس کی توسیع نے ذرائع ابلاغ کے مسئلہ کو ختم کردیا۔ یورپین سائنسی علوم کے تعارف کی وجہ سے ایرانی سماج میں ایک نیا طبقہ جنم لے رہا تھا۔ لازماً اس نئے طبقہ کے ساتھ نیا سیاسی شعور بھی بیدار ہو رہا تھا۔ وطن دوستی اور اپنی ذلت کا احساس سوئے ہوئے ذہنوں کو جگا رہا تھا۔ اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے اس دبے دبے شعور کو اُبھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنے وقت کے تقاضوں کو محسوس کیا اور دوسروں کو بھی اس کا احساس دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ بے شک کچھ لوگ اپنے وقت کے ہنگاموں سے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔ اور قدما کے طرز کو بھی اپنی شاعری اور فن کی بنیاد بنایا مثلاً فتح علی خاں نے جو قاچاری دور میں ملک الشعرا تھے فردوسی کے شاہ نامہ کے طرز پر شاہنشاہ نامہ لکھا۔ اسی طرح مجمر اصفہانی' لطف علی آذر قائم مقام سروش' شہاب' قاآنی وغیرہ کا شمار ان لکھنے والوں میں کیا جاتا

ہے جن کی شاعری form کے نقطہ نظر سے قدیم طرز پر ہے اور جہاں تک contents کا تعلق ہے اس میں بہت کچھ نیا پن نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے بھی بہت سے لکھنے والے پیدا ہوئے جن کی نظر زیادہ وسیع تھی۔ جن کے حوصلے زیادہ بلند تھے اور جن میں زیادہ حرارت تھی۔ انہوں نے ان تمام ہنگاموں کے بیچ میں مستقبل کی روشنیوں کو دیکھا اور اپنے قلم کے ذریعہ اُمید کی روشن کرنوں کو عام دلوں تک پہنچایا۔ ان کو ہم فارسی کی جدید شاعری کے بانیوں اور معماروں میں شمار کر سکتے ہیں۔ بہار مشہدی' دہخدا' ایرج مرزا۔ پروین اعتصامی' عشقی' عارف قزوینی' ابوالقاسم لاہوتی' صادق ہدایت' جلال آلِ احمد وغیرہ۔

8.3 ایرج مرزا

ایرج مرزا جلال الملک خود شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور شاہ پرستی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ساتھ ہی اس کے دل میں جذبۂ وطن دوستی بھی تھا اور اپنے وطن عزیز کے خفیہ بٹوارے سے اس کا شاہی خون بھی جوش میں آ گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ایک بہت ہی اچھی طنزیہ نظم لکھی۔ وہ مذہب کے ٹھیکیداروں اور اخلاق کے نام نہاد رہنماؤں کے تصنع اور بناوٹ کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے فرضی زہد وتقویٰ کا پردہ چاک کرتا ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ اپنی ایک نظم ''رحم کردن'' میں اس نے بہت کھلے اور دلنشین انداز میں طنز کیا ہے۔ ایرج مرزا نے بچوں کے لیے بھی بہت ساری خوبصورت نظمیں لکھیں وہ اچھا نقاد بھی تھا اور اس وقت کے رسائل میں اس کے بہت سے معیاری مضامین بھی چھپے اور بھی کئی شاعروں نے جو اس وقت تک اس تحریک سے براہ راست وابستہ نہیں تھے۔ اب ایرج مرزا کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔

آئینی حکومت سے عوام نے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ بہت جلد ٹوٹنے لگیں اور جس جوش و ولولے سے انہوں نے اس کے قیام کے لیے کوشش کی تھی اور جن امیدوں کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا عملی تجربوں نے ان توقعات کو ختم کر دیا اور اب ان میں نیا احساس جاگ اٹھا کہ یہ ان کی آخری منزل نہیں ہے ابھی انہیں اور آگے جانا ہے۔ اور اُدھر محمد علی شاہ قاچار اس فکر میں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس مجلس شوریٰ کو ختم کر دیا جائے جو اس کی مطلق العنانی کے راستہ میں ایک بہت بڑی رُکاوٹ تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا حملہ پریس پر ہوا۔ اور شاہ نے اپنی حدود و اختیار میں رہتے ہوئے بھی کچھ ایسے جوڑ توڑ کیے کہ آزادیٔ فکر و خیال پر ہر طرف سے پابندیاں عائد ہونے لگیں اور جمہوری تحریک کے رہنماؤں کو چن چن کر قید و نظر بند کیا گیا۔ اس طرح سے آزادی کی تحریک کو دبانے کی کوشش کی گئی تو اس کے ساتھ ہی اس میں ایک نئی روشنی ایک نئی شورش پیدا ہوئی اور شکستہ دل' شکستہ اُمید شاعروں نے اور زیادہ تند و تیز لہجہ اختیار کیا۔ اب خود انہوں نے آزادی کے گیت گائے' جن میں ایک نئی حرارت اور ایک نیا جوش تھا۔

ایرج مرزا نے تبریز کے دارالفنون میں فارسی' عربی اور فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ انہیں جوانی ہی میں مظفرالدین شاہ قاچار نے ''صدر الشعرا'' کا خطاب دیا تھا۔ دراصل ایرج مرزا کی شاعری کا اہم دور ان کی عمر کے آخری دس سال تھے جس میں انہوں نے قدیم طرز بیان کو چھوڑ کر جدید خاص سبک اختیار کیا جس میں آسان اور سادہ زبان ملتی ہے۔ کبھی کبھی ان کی نثر میں بھی اسی طرح کی خوبی نظر آتی ہے۔

ایرج نے اپنے اشعار میں نئے نئے مضامین اور تازہ خیالات کو پیش کیا ہے۔ ان کے دیوان میں ہزلیہ اشعار بہت ملتے ہیں۔ انہوں نے یادداشت ایام حیات' وصیت نامہ ادبی اور انقلاب ادبی جیسی یادگار مثنویاں چھوڑیں جو اپنی سادگی اور روانی کی وجہ سے کافی مشہور ہیں۔ ایرج مرزا ادیب پیشاوری کے برخلاف مشکل الفاظ پر ان آسان الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں جو عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ روزمرہ کا استعمال ایرج کے علاوہ سید اشرف الدین' نسیم رشتی' علی اکبر دہ خدا اور تقی بینش کے یہاں بھی ملتا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو ان جدید شعرا کو ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ایرج مرزا کس دور کے شاعر ہیں؟

2. ایرج مرزا کی مشہور مثنویاں کون سی ہیں؟

3. ایرج مرزا کی مشہور نظم کون سی ہے؟

4. ایرج مرزا کا تعلق کس خاندان سے تھا؟

8.4 علامہ اقبال

علامہ اقبال کو اُردو ادب اور فارسی ادب دونوں لحاظ سے شہرت حاصل ہے۔ ان کا ''ترانۂ ہندی'' مشہور ترین ترانہ ہے۔ اقبال بیک وقت شاعر، فلسفی، نثر نگار، زبان داں مشہور وکیل اپنے وقت کے اچھے سیاست داں، اعلیٰ مدبر، معزز استاد اور ایک اچھے نقاد تھے۔ Morley کا کہنا ہے کہ جولانی ہر بڑے آدمی کی طبیعت میں نہیں ہوتی اور بعض لوگ اپنے لیے کوئی ایسی راہ عمل اختیار نہیں کر سکتے کہ جس سے انہیں شہرت ملے۔ لیکن اقبال اپنے انتخاب میں ہمیشہ صحیح رہتے ہیں۔ اقبال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ وہ ایک کتاب "The book of forgotten Prophets" لکھ رہے تھے کہ موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے انگریزی میں بھی لکھا ہے اور آثارِ نمایاں چھوڑے ہیں۔ یہ کتابیں فلسفہ، معاشیات، سیاست اور ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔ زمانۂ ملازمت میں وہ ہندوستان میں فلسفہ اور انگریزی ادب اور انگلستان میں عربی ادب کا درس دیتے تھے۔اس کے علاوہ وہ زندگی بھر وکالت کرتے رہے۔ اقبال جیسا جولان فطرت، اعلیٰ اور آزاد طبع شاعر بار بار پیدا نہیں ہوسکتا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقبال 22 فروری 1873ء کو پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد برہمن تھے جنہوں نے تین سو سال قبل اسلام قبول کرلیا تھا۔ اقبال اس بات کا تذکرہ بار بار اپنی نظموں میں کرتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریزاست

انہوں نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد 1895ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور گئے۔ جہاں خوش قسمتی سے انہیں شمس العلما میر حسن سے تلمذ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اقبال کی تعلیم میں خاص دلچسپی لی جس کا خود اقبال نے اعتراف کیا ہے۔

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کلی میری آرزو کی کھلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

اقبال نے زمانۂ طالب علمی ہی سے شاعری شروع کی تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ' والی مثل اقبال پر صادق آئی۔ ان کا ذوق و شوق دیکھ کر میر حسن نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اسی زمانے میں داغ دہلوی اردو شاعری کے بڑے استاد مانے جاتے تھے۔ اقبال نے بغرض اصلاح ان کے پاس اپنی نظمیں بھیجیں، داغ نے چند نظموں کی تصحیح کی اور اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ اقبال کی نظموں میں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر جب اقبال کی نظموں کو شہرت ملی تو داغ کو اس بات پر فخر ہونے لگا کہ انہوں نے کبھی اقبال کی نظموں کی اصلاح کی تھی۔

1901ء میں اقبال کی نظم ہمالیہ مخزن میں شائع ہوئی اور یہی نظم اقبال کی شہرت کا باعث بنی۔ اقبال کی شہرت بڑھنے لگی تو دوسرے رسائل و جرائد بھی اقبال کی اجازت لے کر ان کی نظمیں شائع کرنے لگے۔ اقبال نے 1899ء میں انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں پہلی نظم پڑھی۔ یہ نظم ''نالۂ یتیم'' تھی جس کی وجہ سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

اس کے بعد اقبال نے چند نظموں کا ترجمہ کیا جیسے ''پہاڑ اور گلہری'' جو بچوں کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سیاسی خیالات کو اپنی نظموں میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ جس کی اچھی مثال ''صدائے درد'' ہے۔

اقبال یورپ میں پروفیسر آرنلڈ سے متاثر ہوئے اور فارسی زبان میں نظمیں لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں۔ فارسی میں اقبال کے تین مجموعے پیام مشرق، زبور عجم اور ارمغان حجاز ہیں۔ جن سے ہمیں اقبال کی فکر، خیالات اور فلسفہ کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ نظمیں فلسفہ خودی سے متعلق ہیں اور کچھ وطن دوستی سے اور کچھ نصیحت آمیز ہیں۔ اقبال کی فکر بہت بلند تھی اور ساتھ ہی وہ باریک بین بھی تھے۔ خالات و احساسات میں تنوع پایا جاتا تھا۔

اقبال کی دوسری کتابیں اسرار خودی، رموز بیخودی، ارمغان حجاز اور جاوید نامہ ہیں جو کئی بار چھپ چکی ہیں۔ درج ذیل اشعار سے ہمیں اقبال کے کلام کی بلندی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

نعرہ زد عشق کہ خونین جگری پید اشد
حسن لرزید کہ صاحب نظری پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہاں مجبور
خودگری ، خودشکنی ، خود نگری پیداشد

اقبال کی وفات 1357ھ م 1938ء میں لاہور میں ہوئی۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. اقبال کا وطن کون سا شہر تھا؟
2. اقبال کی وفات کب ہوئی؟
3. اقبال کے کلام کے فارسی مجموعے کون سے ہیں؟
4. اقبال تحصیل علم کے لیے کہاں کہاں گئے؟
5. اقبال کی نظموں میں ہمیں کن خیالات کا اظہار ملتا ہے؟

8.5 تشریح

8.5.1 ایرج مرزا کی نظم ''مادر''

گویند مرا چو زاد مادر — پستان بدھن گرفتن آموخت
شبھا بر گاھوارۂ من — بیدار نشست و خفتن آموخت
دستم بگرفت و پا بہ پا برد — تا شیوۂ راہ رفتن آموخت
لب خند نھاد بر لب من — بر غنچۂ گل شگفتن آموخت

یک حرف و دو حرف بر زبانم　　الفاظ نہاد و گفتن آموخت
پس ہستی من ز ہستی اوست　　تا ہستم و ہست دارمش دوست

اس نظم کو پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب "A literary History of Persia" کی چوتھی جلد میں انتساب کے طور پر نقل کیا ہے جس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یہ نظم لطیف احساسات کا دلکش نمونہ ہے اور قدیم و جدید شاعری میں اپنی قسم کی واحد نظم ہے۔ رشید یاسمی نے اس نظم کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ موجودہ دور میں یعنی بیسویں صدی کے کچھ ہی ایرانی بچے ایسے ہوں گے جنہیں یہ نظم یاد نہ ہو۔

ایرج کہتا ہے کہ میری ماں نے جب مجھے پیدا کیا تو مجھے آہستہ آہستہ ایک ایک چیز سکھائی۔ اپنا سکھ چین سب تج کر میرے پیچھے لگی رہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ''ماں کی آغوش بچہ کی سب سے پہلی تربیت گاہ ہے''۔ شاعر کہتا ہے کہ جب میری ماں نے مجھے جنم دیا تو سب سے پہلے مجھ کو دودھ پینا سکھایا اور رات بھر میرے جھولے کے پاس بیٹھ کر مجھے سونا سکھایا اور خود اپنی نیند خراب کر کے جاگتی رہی۔ جب میں ذرا بڑا ہو گیا اور کسی قدر پاؤں زمین پر جمانے لگا تو میری انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنا سکھایا اور مجھے راستہ چلنا سکھایا۔ میرے ہونٹوں پر اپنے میٹھے ہونٹ رکھ کر مجھے ہنسنا سکھایا۔ جس طرح کہ کلی کھل کر پھول بنتی ہے اور لوگ اس کو دیکھ کر محظوظ ہوتے ہیں' میری ماں میری مسکراہٹ کو دیکھ کر کھل اٹھتی اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جس وقت میری زبان سے حرف نکلنے لگے اس وقت میری ماں نے الفاظ سکھا کر مجھے بات کرنا سکھایا۔ بس میری ہستی اُسی کی ہستی کی وجہ سے ہے۔ اور جب تک میں زندہ رہوں گا ماں سے محبت کرتا رہوں گا۔ اس نظم میں ایرج نے ماں کی محبت اور اس کی عظمت کے بارے میں بتایا ہے کہ کس طرح ماں تکلیف سہہ کر اپنے بچہ کو بڑا کرتی ہے۔ اس کو دودھ پلاتی ہے اس کو چلنا سکھاتی ہے۔ اس کو بات کرنا سکھاتی ہے اس کو سونا سکھاتی ہے خود اپنی نیند اور چین سب چھوڑ کر اپنی اولاد کی فکر کرتی ہے۔ اس کی خوشی سے خوش ہوتی ہے اور اس کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اولاد کو بھی چاہیے کہ اپنی ماں سے محبت کرے اور عمر بھر اس کے احسان کو نہ بھولے۔

8.5.2 نظم 'اقبال لاہوری ''کرم کتابی''

شنیدم شبی در کتب خانۂ من　　بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
بہ اوراق سینا نشیمن گرفتم　　بسی دیدم از نسخۂ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمت زندگی را　　ہماں تیرہ روزم زبی آفتابی
بگو گفت پروانۂ نیم سوزی　　کہ این نکتہ را در کتابی نیابی

تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش می دہد بال و پر زندگی را

شاعر کہتا ہے کہ ایک رات جب کہ میں اپنے کتاب خانہ میں تھا کتابوں کے کیڑے کو پروانے سے کہتے ہوئے سنا۔'' میں بوعلی سینا کی فلسفہ کی کتابوں میں بیٹھا رہا اور کبھی فاریابی کی کتابوں کو دیکھتا رہا لیکن پھر بھی میں زندگی کے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکا۔ ہر فلسفی اس بات پر سرگرداں ہے کہ ہماری تخلیق کا سبب کیا ہے۔ ہم کیا ہیں۔ کیوں ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کہاں جانا ہے لیکن بڑے سے بڑا فلسفی بھی زندگی کے اس راز کو نہیں جان سکا اور معلوم شد کہ معلوم نہ شد کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ روشنی کے بغیر' دھوپ کے بغیر یہاں اندھرا چھایا ہوا ہے''۔ پروانہ نے یہ سن کر جواب دیا کہ اس نکتہ کو تو کتابوں میں نہیں پا سکتا۔ زندگی کو محبت کی آگ ہی زندہ کر سکتی ہے۔ اگر سینے میں سوز ہو اور عشق ہو تو ہر راز آشکار ہو سکتا ہے۔ اور اسی محبت کی تپش سے زندگی کو بال و پر ملتے ہیں۔ اور وہ پروان چڑھ سکتی ہے۔ یعنی علم سے محبت کرنے سے علم حاصل ہوتا ہے۔ کسی چیز کی جستجو جب تک نہیں کی جائے وہ حاصل نہیں ہو سکتی۔

8.6 خلاصہ

اکائی 8 میں جدید فارسی شاعری سے بحث کی گئی ہے ۔ ایران اور ہندوستان دونوں ممالک میں انقلاب روس کے بعد جدید ادب کی ابتدا ہوئی۔ ایران میں سامراجیت سے برسر پیکار عوام اپنے جذبات کو نظم کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ پروین اعتصامی' ملک الشعرا بہار مشہدی ایرج مرزا نے جو خود شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے' سامراجیت کے خلاف آواز اُٹھائی۔ جدید نظم سے متعلق تفصیل پچھلے صفحات میں بیان کردی گئی ہے اور اس اکائی میں دو جدید شعرا کا کلام دیا گیا ہے۔ ایک تو ایرج مرزا ہیں جن کا تعلق ایران سے تھا اور دوسرے علامہ اقبال لاہوری ہیں جو ہندوستانی شاعر ہیں اور ان کی نظموں میں جدید شاعری کا مزاج پایا جاتا ہے۔ ایرج مرزا اور اقبال کے حالات زندگی بھی پیش کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی شاعری پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ نصاب میں جو نظمیں ہیں ان کی تشریح بھی کی گئی ہے ۔ فرہنگ اور امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہیں ۔ سفارش کردہ کتابوں کے نام بھی ہیں جو طلبا کو اپنی معلومات بڑھانے میں مدد دیں گے ۔

8.7 فرہنگ

مادر	=	ماں	گویند	=	کہتے ہیں
مرا	=	مجھ کو	زادن	=	پیدا کرنا
زاد	=	پیدا کیا	چو	=	جب
پستان	=	چھاتی	دہن	=	منہ
گرفتن	=	پکڑنا	آموختن	=	سکھانا
آموخت	=	سکھایا	شب	=	رات
شب ھا	=	کئی راتیں	گہوارہ	=	جھولا
بیدار	=	ہشیار	شبستان	=	بیٹھنا
نشست	=	بیٹھا	خفتن	=	سونا
دستم	=	میرا ہاتھ	گرفت	=	پکڑا
پاپا	=	پاؤں پاؤں	برد	=	لے جانا
شیوہ	=	طریقہ	راہ رفتن	=	راستہ چلنا
لبخند	=	مسکرانا	لب	=	ہونٹ
غنچہ	=	کلی	شگفتن	=	کھلنا
یک حرف	=	One Alphabet	زبانم	=	میری زبان
بر	=	پر	الفاظ	=	Words
نہاد	=	رکھا	گفتن	=	بات کرنا' کہنا

پس	=	بس	ہستی	=	زندگی
تاهستم	=	جب تک کہ میں ہوں	دوست داشتن	=	محبت کرنا
دوست دارمش	=	میں اس کو دوست رکھتا ہوں			
کرم کتابی	=	کتاب کا کیڑا			
شنیدن	=	سننا	شنیدم	=	میں نے سنا
شب	=	رات	شبی	=	ایک رات
در	=	میں	کتب خانہ	=	لائبریری
کرم	=	کیڑا	کرم کتابی	=	کتاب کا کیڑا
سینا	=	ابن سینا (فلسفی)	نشیمن	=	گھونسلا، رہنے کی جگہ
نشیمن گرفتم	=	میں نے قیام کیا	دیدن	=	دیکھنا
دیدم	=	میں نے دیکھا	فاریابی	=	ایک فلسفی
فہمیدن	=	سمجھنا	حکمت	=	فلسفہ
ہماں	=	وہی	تیرہ	=	اندھیرا
روز	=	دن	آفتاب	=	دھوپ
گفت	=	کہا	نیم سوزی	=	آدھا جلا ہوا
نکتہ	=	Point	یافتن	=	پانا
نیابی	=	تو نہیں پائے گا	تپش	=	حرارت
تپش می کند	=	گرم کرتا ہے	تپش می دھد	=	گرمی پہنچاتا ہے

8.8 نمونۂ امتحانی سوالات

1. فارسی زبان کی جدید نظم سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
2. ایرج مرزا کے حالات زندگی اور شاعری پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. علامہ اقبال کے کلام کی خصوصیات بیان کیجیے۔
4. نظم ''مادر'' کا اپنی زبان میں خلاصہ لکھیے۔
5. نظم کرم کتابی کا خلاصہ لکھیے۔

8.9 سفارش کردہ کتابیں

.1	ڈاکٹر رضیہ اکبر	جدید فارسی ادب کے پچاس سال
.2	رغیب حسین	شعرا مروز ایران
.3	رشید یاسمی	ادبیات معاصر
.4	منیب الرحمٰن	جدید فارسی شاعری
.5	ملک الشعرا بہار مشہدی	سخنوران معاصر ایران
.6	E.G. Brown	تاریخ ادبیات ایران (جلد چہارم)

اکائی: 9 تاریخ ادبیات دورۂ ساسانیاں

ساخت

9.1 تمہید

9.2 فرمانروایان ساسانیان (229 تا 652ء)

9.2.1 اردشیر بابکان۔

9.2.2 شاہ پور اردشیر

9.2.3 شاہ پور دوم

9.2.4 نوشیروان

9.2.5 خسرو پرویز

9.3 زبان وادبیات

9.3.1 پہلوی زبان کے ادبیات کی تقسیم

9.4 عہد ساسانی کے کتبے

9.5 عہد ساسانی کے سکے اور مہریں

9.6 خلاصہ

9.7 نمونہ امتحانی سوالات

9.8 سفارش کردہ کتابیں

9.1 تمہید

دورہ ساسانیاں ایران میں اسلام سے قبل کا دور ہے۔اس دور میں ہمیں زرتشتی مذہب کی کتاب ''اوستا'' ملتی ہے اور اسی مناسبت سے اس دور کی زبان کو اوستائی زبان کہا جاتا ہے۔اس دور میں دربار میں جس پہلوی زبان کا رواج تھا اس کے زیر اثر ملکہ کو ملکا لکھا جاتا تھا اور شاہِ شاہان کو شاہنشاہا پڑھا جاتا تھا۔اس دور کی زبان کے قدیم نمونے ہمیں سکّوں، کتبوں اور پتوں پر لکھے ہوئے مخطوطوں میں ملتے ہیں۔جس کی زبان کو پہلوی ساسانی کہا جاتا ہے۔ان سکّوں، کتبوں اور مخطوطات کو مزار فردوسی کے پاس نمائش کے لیے رکھا گیا ہے۔یہ ادبی تاریخ کے اہم ماخذ ہیں۔اس دور کے بادشاہوں نے زبان وادب کے فروغ کے لیے اس کی سرپرستی کی۔اس دور کی کتابیں بہت کم ملتی ہیں بعض کتابوں کا پہلوی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

9.2 فرمانروایان ساسانیان (229ء تا 652ء)

آلِ ساسان کے فرمانروا خسرو یا کسریٰ کے لقب سے جانے جاتے تھے۔انہوں نے ایران کی قدیم سلطنت اور زرتشتی مذہب کا احیا کیا۔ایران اس دور میں ایک نئی سیاسی اور اجتماعی صورت میں اُبھرا۔ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو دیوتا کہتے تھے اور رعایا بھی اس بات کو جان گئی تھی کہ مجھی تاج پہننے کا حق صرف آلِ ساسان کو ہے۔یہ بادشاہ نہایت دبدبہ اور جاہ وجلال سے حکومت کرتے تھے۔شاہی خاندان کے سوا کوئی شخص 'خسرو' یا 'کسریٰ' کا لقب نہیں اختیار کرسکتا تھا۔

9.2.1 اردشیر بابکان

ساسانی خاندان کا بانی اردشیر بابکان تھا۔ساسانی دور میں تقریباً چالیس حکمرانوں نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔اردشیر بابکان کی شہرت اس

وجہ سے ہے کہ اس نے قومی اساس پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس نے سب سے پہلے 223ء میں کرمان پر حملہ کیا اور وہاں کے حکمران کو شکست دی اور پھر شاہان خوزستان و عمان بھی اس کے مطیع ہو گئے۔ 224ء میں اس نے سوسیانہ کی لڑائی میں اشکانی خاندان کے آخری بادشاہ کو قتل کیا اور بہت جلد سارے ایران پر سوائے صوبہ آرمینیا کے اپنی حکومت قائم کی اور زرتشتی مذہب کو حکومت کا مذہب قرار دیا۔

9.2.2 شاہ پور اردشیر

اس کے بعد شاہ پور اردشیر نے اپنے باپ کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ شہنشاہ روم سے اس کی لڑائی ہوئی۔ شاہ پور گرفتار ہو کر قید کر لیا گیا اور تا عمر اسی قید میں رہا۔

9.2.3 شاہ پور دوم

اس کے بعد شاہ پور دوم نے تخت حاصل کر لیا اس کی حکومت ساٹھ سال کے طویل عرصہ تک رہی۔

9.2.4 نوشیروان

531ء میں نوشیروان نے تخت حاصل کیا۔ یہ ساسانی خاندان کا زبردست حکمران تھا۔ اس نے اپنی انصاف پروری اور عدل گستری سے تاریخ میں ''نوشیروان عادل'' کا لقب حاصل کیا۔ اس کے عہد میں سلطنت کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں بادشاہوں نے خسرو اور کسریٰ کا لقب اختیار کیا۔

زندہ است نام فرخ نوشیروان بعدل
گرچہ بسی گذشت کہ نوشیروان نماند
(سعدیؔ)

9.2.5 خسرو پرویز

نوشیروان کے بعد اس کا بیٹا خسرو پرویز تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس کے بعد ساسانی حکومت میں نراج پیدا ہو گیا۔ یزدگرد سوم 632ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ عربوں کے بڑھتے ہوئے لشکر سے لڑتا رہا اور مارا گیا اور اسی یزدگرد سوم پر ساسانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ساسانی دور حکومت کب سے کب تک رہا؟
2. ساسانی دور کا سب سے پہلا حکمران کون تھا؟
3. کون سا بادشاہ 'عادل' مشہور ہوا؟
4. نوشیروان کے بعد کون تخت پر بیٹھا؟

9.3 زبان و ادبیات

اس دور کی عام زبان وہی پارسی باستان تھی جس کا آغاز ہخامنشی دور کے آخر میں ہی ہو چکا تھا۔ اشکانیوں کے زمانے میں اس کا زیادہ رواج ہوا اور ساسانی دور میں پہنچ کر یہی زبان ایک علمی زبان بن گئی اور پہلوی کہلائی۔ اس لحاظ سے ہم اس دور کو پہلوی زبان کی ترقی کا دور کہہ سکتے ہیں۔ پہلوی زبان بہت قدیم ہے اور یہ فارسی زبان اور اوستائی زبان سے زیادہ مختلف تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں ہی یہ زبان سکوں، کتبوں، مہروں اور علمی و ادبی کتابوں کی زبان بن گئی تھی۔ اس زبان کا سب سے قدیم نمونہ شاپور میں پتھر کے ستونوں پر کندہ ہے۔ جنوبی اور مغربی حصوں کی زبان، لہجہ اور رسم الخط کے لحاظ سے شمالی زبان سے مختلف ہے اور ساسانی کتبے وغیرہ اسی لہجے میں ملتے ہیں اور اس کو پہلوی ساسانی کہتے ہیں۔ ساسانی دور میں زبان کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہی ہے لیکن اتنا تو معلوم ہے کہ ساسانی دور میں حکومت کی اور دفاتر کی زبان پہلوی ہی تھی۔

قدیم فارسی یا پارسی باستان میخی خط میں لکھی جاتی تھی اور متوسط فارسی پہلوی خط میں۔ یہ خط آرامی سے ماخوذ ہے اور نویں صدی عیسوی تک رائج رہا۔ اس میں آرامی زبان کے 1000 الفاظ مستعمل ہیں۔ جنہیں آرامی میں لکھ کر فارسی مترادفات سے پڑھا جاتا تھا۔ اس زمانہ کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ King of King کے لیے ملکا ملکا لکھا جاتا تھا اور شاہنشاہ پڑھا جاتا تھا۔ ان الفاظ کو ھزوارش کہتے ہیں۔

9.3.1 پہلوی زبان کے ادبیات کی تقسیم

پہلوی ادبیات کو حسب ذیل حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1. اوستا کے پہلوی ترجمے
2. پہلوی مذہبی تصانیف
3. پہلوی غیر مذہبی تصانیف

ان سب کا شمار تقریباً بیس تک کیا گیا ہے۔ زرتشتی مذہب کی کتاب مقدس اوستا جو خاص زبان اوستان میں لکھی ہوئی تھی۔ وہ اس ساسانی دور کے آغاز تک بالکل فراموش ہو چکی تھی۔ اس کو اردشیر نے بڑی توجہ سے جمع کیا۔ اس دور کے ادبیات کے نمونے آج بھی بہت کم یاب ہیں۔ اس دور کے ادبیات کے نمونے کی ایک کتاب صیوم واقع مصر میں پائی گئی ہے اور ماہر زبان پہلوی West کے خیال میں یہ آٹھویں صدی عیسوی سے متعلق ہے۔ اس عہد کے علوم کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ نوشیروان نے اسکندریہ کے سات بڑے عالموں سے جو ایران میں پناہ گزین تھے، بہت کام لیا تھا اور ایک طبی اسکول بھی تعمیر کروایا تھا۔ جہاں سے بہت سے طبیب فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ یادداشت فلسفۂ افلاطون کا ترجمہ بھی اس عہد میں ہوا تھا۔ ''کلیلہ ودمنہ'' نوشیروان کا مشہور طبیب برزویہ ہی ہندوستان سے لایا تھا۔ اور اس کو پہلوی زبان میں منتقل کیا گیا' لیکن آج وہ ترجمہ ناپید ہے۔ اس کے علاوہ یزدگرد سوم کے زمانہ میں ایک کتاب ''شاہان ایران اور ان کی سلطنت'' کے واقعات سے متعلق لکھی گئی تھی اور ''خدائی نامہ'' کہلاتی ہے۔ 346ء میں ابن المقفع نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فردوسی نے اپنے شاہ نامہ کے لیے بہت سا مواد اس کتاب سے لیا۔ لیکن تحقیق سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا فردوسی کے ہاتھ اصل کتاب لگی تھی یا ابن المقفع کا ترجمہ۔ البتہ دور اسلام کے اوائل کی تحریروں سے اتنا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ساسانی دور میں فنون لطیفہ اور ادب کی طرف خاص توجہ دی گئی تھی۔ خصوصاً نوشیروان کے عہد میں پہلوی ادب کو بہت فروغ ہوا۔ صاحب کتاب الفہرست نے بہت سی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو پہلوی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ چوتھی صدی ہجری تک بہت سے اصل نوشتہ جات اور تراجم دونوں موجود تھے ان کتابوں کی تعداد تقریباً ستر (70) بتائی جاتی ہے۔ اور مضامین کے لحاظ سے ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) طب (2) امور مذہبی (3) فنون جنگی (4) مملکت دستوری (5) قصص وحکایات یا روایات

رزمیہ و بزمیہ حکایات کا ان دنوں بہت رواج تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایران کی داستانی تاریخ میں ساسانی عہد کی بہت سی حکایات شامل ہیں۔ مثلاً بہرام چوبین وغیرہ۔ بعض رزمیہ و بزمیہ داستانیں جو اسلام کے دور اول میں لکھی گئیں ان کے متعلق گمان غالب ہے کہ وہ اصل میں پہلوی زبان میں تھیں۔ جیسے قصہ' ویس ورامین' وامق وعذرا' خسرو شیریں و' شیریں فرہاد' وغیرہ۔ مختصر یہ کہ جہاں تک بھی پتہ چلا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ساسانی عہد میں ادب نے کافی ترقی کی تھی لیکن امتداد زمانہ سے اس کا ادب باقی نہیں رہا۔ ساسانیوں کے دور حکومت میں فلسفہ' حکمت اور اجتماعی علوم' یونانی اور سنسکرت سے پہلوی زبان میں منتقل ہوئے۔ اخلاقی اور اجتماعی علوم پر اہم کتابیں لکھی گئیں۔ عربوں کے تسلط' عربی زبان کی ترویج اور ایرانی مصنفوں کی کتابوں کے تلف ہونے کے باوجود بہت سی کتابیں پہلی صدی ہجری تک باقی رہیں۔ جس کا ثبوت عربی کتابوں میں ان کے ناموں سے ملتا ہے۔ بعض کتابوں کے مطالب نقل ہوئے اور بعض کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ چنانچہ 'المساوی'۔ 'کتاب الادب الکبیر' 'کتاب الادب الصغیر' میں پہلوی زبان سے اقتباس لیا گیا اور ترجمہ کیا گیا۔ جس کا نام ''شاسیت وناشاسیت'' تھا۔ اس ماخذ سے یہ حقیقت بھی پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اس دور میں ایران میں منظوم کلام موجود تھا اور اشعار کا وزن ہجائی تھا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. پہلوی زبان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2. پہلوی زبان ایران کے کس عہد کی زبان ہے؟
3. ھزوارش کس کو کہتے ہیں؟
4. پہلوی ادب کی ہمیں کتنی کتابیں ملتی ہیں؟
5. کتاب اوستا کون سی زبان میں لکھی گئی؟
6. ساسانی دور میں اوستا کو کس نے جمع کیا؟
7. خدائی نامہ کس بادشاہ کے زمانے میں لکھی گئی؟
8. مضمون کے لحاظ سے ساسانی دور کی کتابوں کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا گیا؟

9.4 عہد ساسانی کے کتبے

1. سب میں قدیم عہد ساسانی کا کتبہ ''پائی کلی'' کا ہے۔ جو قصر شیریں کے شمال میں صوبہ کردستان میں واقع ہے۔ یہ کتبے اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی دونوں زبانوں میں ایک مربع مینار کے پہلوؤں پر کندہ ہیں۔

2. **نقش رستم**

یہ کتبہ داریوش اول کا ہے جو تین زبانوں میں لکھا ہوا ہے ساسانی پہلوی' اشکانی پہلوی اور یونانی اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ ''برجستہ تصویر شاہ پور شیر اردشیر کی ہے'' اور بتایا گیا ہے کہ یہاں دو تصاویر اردشیر اول اور خدائے بزرگ' ھورامزا کی ہیں۔

3. **نقش رستم :**

یہ کتبہ شاہ پور اول کا ہے اور یہ کتبہ بھی تین زبانوں میں ہے۔

4. **شاہ پور اول کا کتبہ ۔حاجی آباد :**

یہ دو زبانوں میں ہے یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی اور اس میں بادشاہ کی تیر اندازی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

5. **نقش رجب**

یہ کتبہ موبد ہرمزد کا ہے جس میں مصنف نے ساسانی زبان میں اپنے تقوٰی کا حال لکھا ہے اور سلطنت ایران کے لیے اپنی خدمات کا ذکر کیا ہے جو اس نے شاہ پور اول' شاہ پور دوم' اور بہرام اول اور بہرام دوم کے زمانے میں انجام دی تھیں۔

6. **نقش رستم**

موبد ہرمزد کا ایک اور کتبہ ہے جس کی عبارت مٹ چکی ہے۔

7. پائی کلی میں شاہ نرسی کا کتبہ جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے' اس میں شاہ نرسی اور بہرام سوم کی لڑائی اور امرا کی اطاعت قبول نہ کرنے کا بیان ہے۔
8. شاہ پور میں ساسانی پہلوی کتبہ جس پر بہرام اول کی برجستہ تصویر کندہ ہے اس پر شاہ نرسی کے باپ دادا کے اسما والقاب کندہ ہیں۔
9. شاہ پور دوم کا کتبہ ساسانی پہلوی زبان میں طاق بستان میں ہے۔ اس میں شاہ پور اول و دوم کی برجستہ تصاویر ہیں۔ جن کی داہنی طرف چھوٹی سی محراب ہے جس پر شاہ پور ساسانی اور اس کے باپ دادا کے اسما والقاب کندہ ہیں۔
10. شاہ پور دوم کا کتبہ ساسانی پہلوی زبان میں ہے۔ اس پر شاہ پور سوم اور اس کے اسلاف کی تصاویر ہیں۔
11. پرسی پولیس (تخت جمشید) میں ایک ساسانی پہلوی میں لکھا ہوا کتبہ ہے جو شاہ پور دوم کے جلوس کے دوسرے سال نصب کیا گیا۔
12. پرسی پولس میں ایک اور ساسانی کتبہ ہے جسے سلطنت کے دو معزز امیروں نے شاہ پور دوم کے اعزاز میں نصب کیا۔

9.5 عہد ساسانی کے سکّے اور مہریں

اس زمانہ کی مہروں کے نقوش سے بھی ہمیں بہت سے اشخاص کے نام اور القاب کا پتہ چلتا ہے۔ یہ عہد ساسانی کی یادگار ہیں۔ اس کی تصویریں ہمیں ''ایران درعہد ساسانیاں'' کتاب میں ملتی ہیں۔ اور فردوسی کے مقبرہ میں جو نمائش ہے اس میں بھی اس دور کے سکے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مقبرہ نیشاپور میں ہے۔ اور یہ سکے تاریخ نویسی کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

ہر ساسانی بادشاہ کا تاج مخصوص شکل کا تھا اس لیے ان سکّوں پر بادشاہوں کی تصویر کو دیکھ کر ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کون سے بادشاہ کے دور کا یہ سکہ ہے۔

9.6 خلاصہ

اکائی 9 میں ساسانی دور کے فارسی ادب سے بحث کی گئی ہے۔ ابتدا میں اس زمانہ کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس دور کے فرمانرواؤں کے حالات بیان کیے گئے ہیں جن میں اردشیر بابکان۔ شاہ پور اور خسرو پرویز کے زمانہ کے ادب اور حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس دور کے سکوں، کتبوں اور مہروں کے متعلق معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس دور سے متعلق امتحانی سوالات کا نمونہ دیا گیا ہے اور مزید مطالعہ کے لیے بعض کتابوں کی سفارش بھی کی گئی ہے۔

9.7 نمونۂ امتحانی سوالات

1. عہد ساسانی کے کتبوں کی کیا اہمیت ہے؟
2. پائی کلی کا کتبہ کہاں ہے؟
3. کتبے کتنی زبانوں میں ہیں؟
4. سکوں اور مہروں پر کون سی زبان میں نقش ہیں؟
5. ساسانی دور کی ادبی تاریخ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
6. اوستا کون سے مذہب کی کتاب ہے؟ اس کے بارے میں لکھیے۔
7. ساسانی دور کے کتبوں، سکوں اور مہروں کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟۔ ان کی ادبی اور تاریخی اہمیت بتائیے۔
8. ساسانی بادشاہوں سے متعلق ایک مفصل نوٹ لکھیے۔

9.8 سفارش کردہ کتابیں

1. تاریخ ادبیات ایران۔ رضازادہ شفق ترجمہ: ڈاکٹر مبارز الدین رفعت
2. E.G. Brown, Literary History of Iran Vol. 1
3. تاریخ ادبیات ایران
4. ایران درعہد ساسانیاں

اکائی: 10 سامانی دور کا فارسی ادب

ساخت

10.1 تمہید

10.2 سامانی دور کا فارسی ادب

10.3 سامانی دور کے شاعر

10.4 سامانی دور کی نثر

10.5 خلاصہ

10.6 نمونۂ امتحانی سوالات

10.7 سفارش کردہ کتابیں

10.1 تمہید

عربوں کے دور حکومت سے سامانی دور تک فارسی زبان کی تاریخ کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عبوری دور میں ایران کی عام زبان پہلوی ہی تھی۔ لیکن اس دور میں خود پہلوی زبان کے اندر تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اور اس نے موجودہ فارسی کا روپ اختیار کیا اور پھر بعد اسلام کی فارسی وجود میں آئی۔ پہلوی زبان اور موجودہ فارسی میں فرق یہ ہے کہ موجودہ فارسی کا رسم خط عربی رسم الخط ہے اور اس زبان میں بہت سے عربی الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ اس زمانے میں عربی الفاظ کا استعمال نہ صرف ضرورت کے لحاظ سے کیا جاتا تھا بلکہ ان کا استعمال ادب کی شان سمجھی جاتی تھی۔ اس کا اثر اتنا بڑھا کہ فردوسی جیسا شاعر بھی جو خالص فارسی لکھنے کا حامی تھا عربی الفاظ کے استعمال پر مجبور ہو گیا۔ عربی الفاظ کے سوا دوسری اور زبانوں جیسے یونانی، آرامی اور لاطینی کے الفاظ اسی زمانہ سے عربی زبان کے واسطے سے راست فارسی میں داخل ہو گئے۔

10.2 سامانی دور کا فارسی ادب

اس دور کو بعد از اسلام فارسی ادبیات کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ طاہریہ خاندان کے ساتھ جو قومی تحریک شروع ہوئی تھی، سامانی دور میں اس کو ترقی ہوئی۔ سامانیوں نے اپنی قومی روایتوں کو حتی الامکان زندہ کرنے کی کوشش کی۔

اس خاندان کے جد امجد کا نام سامان تھا اور یہ اشراف بلخ سے تھا۔ نوح، احمد، یحییٰ اور الیاس اس کے چار بیٹے تھے اور یہ چاروں خلیفہ مامون کے دربار سے منسلک تھے۔ خلیفہ کی ان پر خاص نظر تھی چنانچہ مختلف علاقوں کی حکمرانی کا انھیں اعزاز ملا۔ نوح کو سمرقند کی، احمد کو فرغانہ، یحییٰ کو چاچ اور الیاس کو ہرات کی حکومت ملی۔ ان چاروں میں احمد سب سے لائق اور ہوشیار تھا۔ نوح کی وفات کے بعد اس نے کاشغر کو اپنے علاقہ میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹوں میں معز اور اسماعیل نے سلطنت کو کافی ترقی دی۔ فتوحات اور ملک گیری کے ساتھ ساتھ انہوں نے زبان و ادب کی طرف خاص توجہ دی۔ اسی زمانہ میں سامانی دربار شعر و ادب کا ایک مرکز بن گیا۔ سمرقند و بخارا کے علاقے نئے سرے سے ایران کے دارالعلم مانے جانے لگے اور چونکہ سامانیوں نے بخارا کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا اس نسبت سے بھی بخارا علم و فن کا گہوارا بن گیا۔ حاکموں اور علم دوست امیروں کی سرپرستی اور قدر دانی نے مختلف علاقوں سے شاعروں اور ادیبوں کو بخارا کی طرف آنے کے لیے راغب کیا۔ یہاں باقاعدہ علمی مناظرے ہوتے تھے اور شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی زبان و ادب کی ترقی کے راستے کھل گئے۔ ''تذکرہ لباب الباب'' میں اس دور کے ستائیس (27) ممتاز ترین شاعروں کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کتنے ہی فارسی کے شاعر و ادیب ہوں گے جن کے نام آج ہمیں معلوم نہیں۔ بعد اسلام فارسی نظم و نثر کی بنیاد بھی اسی دور میں پڑی۔ اس

دور کی شاعری کا بہترین نمونہ رودکی کے اشعار اور اس دور کی نثر کا سب سے اچھا نمونہ تاریخ ''بلعمی'' ہے۔ یہ دونوں نمونے نہایت جاندار، سادہ اور سلیس ہیں۔ شاہ نامہ کی بنیاد بھی سامانی دور میں رکھی جا چکی تھی۔ علم پرور سامانی بادشاہ نوح بن منصور جو شاعر بھی تھا۔ اس کے دور میں دانشور وزیر جیسے صہبانی، ابوالفضل بلعمی، ابوعلی بلعمی موجود تھے اور انہوں نے زبان و ادبیات کی ترویج میں بڑی کوشش کی۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. سامانی دور میں کس ادب کو ترقی ہوئی؟
2. اس دور کی بہترین شاعری کس کی ہے؟
3. سامانی دور میں بہترین نثر کس کی ہے؟
4. سامانی دور کا کون سا بادشاہ شاعر تھا؟

10.3 سامانی دور کے شاعر

ابو شکور بلخی:

ابوشکور بلخی سامانی دور کا مشہور شاعر تھا۔ نوح بن نصر سامانی کے دربار سے اس کا تعلق تھا۔ وہ سب سے پہلا مثنوی گو شاعر تھا جس کا سب ہی تذکروں میں ذکر ملتا ہے۔ ایک مثنوی ''آفرین نامہ'' بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کی تحریر کے جو نمونے بعض تذکروں میں ملتے ہیں وہ بہت ہی تازہ اور شگفتہ ہیں۔ ''لباب الالباب'' میں اس کے کئی شعر ہیں۔ اس کا ایک شعر ہے۔

تا بدانجا رسید دانش من
می بدانم ہمی کہ نادانم

اس شعر میں شاعر نے انسانی فکر کی کوتاہی اور دانش و حکمت کی فراوانی اور خودشناسی کے لازمات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آفرین نامہ میں اس نے لکھا ہے۔

خرد مند داند کہ پاکی و شرم
درستی و راستی و گفتار نرم
بود خوی پاکان چو خوی ملک
چہ اندر زمینی چہ اندر فلک

خردمند وہ ہے جس کا ارادہ اٹل ہے۔ خردمند گویا سردار ہے اور بے جا خواہش اور تمنائیں سپاہی ہیں اور یہ سپاہی اپنے سردار کے حکم کے آگے اپنا سر جھکانے پر مجبور ہیں۔

ابوشکور کے جتنے بھی شعر ہمیں ملتے ہیں سب مثنوی کی طرز پر ہیں غالباً اس کو اس صنف سے شغف تھا۔

ابوالمؤید بلخی

ابوالمؤید اس دور کا دوسرا مشہور شاعر تھا۔ عوفی نے ''لباب الالباب'' میں اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ اس کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے فردوسی سے پہلے شاہ نامہ لکھنے کی کوشش کی۔ قابوس نامہ جیسی قدیم کتابوں میں اس کا ذکر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یوسف زلیخا کے قصے کو فارسی میں نظم کیا تھا۔

ابوالحسن شہید بلخی

ابوالحسن شہید بلخی ہم عصر شاعروں میں سب سے مشہور تھا۔ تذکروں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے عالموں میں شمار ہوتا تھا اور اس نے شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر اسے عبور حاصل تھا۔ اس کو فلسفہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ یہ بے عقلوں کی قدر دانی اور دانشمندوں کی بے قدری پر رنجیدہ ہوتا تھا۔ بلند ہمت تھا اور علم و دانش کو مال و دولت پر ترجیح دیتا تھا۔ بڑی حساس طبعیت رکھتا تھا۔ اس نے دنیا کو غم کا کاشانہ کہا ہے۔ اکثر بڑے شاعروں نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کی بڑائی کو تسلیم کیا ہے اس کی وفات 325ھ میں ہوئی۔ اس کا عہد عوفی نے نصر بن احمد اسماعیل سامانی کا عہد بتایا ہے۔

عمّارہ مروزی :

عمارہ مروزی سامانی دور کے آخری زمانہ کا شاعر ہے۔ اس نے سامانی دور کے شاہ زادے مستنصر کا مرثیہ لکھا اور سلطان محمود کی مدح کی ہے۔

اس کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسن کا متوالا تھا اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ایک قطعہ میں اس نے بہار کی آمد پر نغمہ سرائی کی ہے:

جہانی برف اگر چندگاہ سیمیں بود
زمرد آمدو بگرفت جای تودۂ سیم
بہار خانہ ٔ شمریاں بوقت بہار
بباغ کرد ہمہ نقش خویشتن تسلیم

دنیا برف کی وجہ سے چاندی کی طرح ہوگئی ہے اور زمرد نے آکر اس چاندی کے ڈھیر کو پکڑ لیا ہے یعنی بہار کی وجہ سے جو برف سفید چاندی کی طرح تھی اور تمام دنیا پر سفیدی کی طرح چھا گئی تھی جب بہار کی وجہ سے یہی برف پگھلی تو زمین پر سبزہ اُگنے لگا۔ ایران میں خزاں کے آخری دور میں پہاڑوں سے برف پگھل کر چاندی کی طرح بہتی ہے اور اس کے بعد سبزہ اُگ آتا ہے۔ ہر طرف گھاس اُگ آتی ہے اور باغ میں بہار کا نظارہ ہوتا ہے۔

حکیم کسائی مروزی

ابوالحسن مجد الدین اسحاق کسائی مروزی چوتھی صدی کے آخر کا مشہور شاعر تھا۔ اور اپنے ہم عصروں میں بڑی عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ خراسان کے شاعر ناصر خسرو نے اپنے اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ 541ھ میں پیدا ہوا۔ تذکروں اور خود اس کے اشعار کی رو سے اس نے بڑی عمر پائی جس کا شمار سو سال تک ہوتا ہے۔ اس کا تعلق اہل تشیع سے تھا اس نے حضرت علیؓ کی مدح میں اشعار کہے۔ یہ پہلا شاعر ہے جس نے مذہبی قصائد اور حکیمانہ اشعار لکھے اور اخلاقی پند و نصائح کو نظم کا جامہ پہنایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کائنات کے حسن کی بھی تعریف کی ہے۔ کبھی آبی نیلوفر (کنول کا پھول) کو دیکھ کر اسے تیغ آبدار اور یاقوت تابکار سے تشبیہ دی ہے۔ کبھی پھولوں کو دیکھ کر مست ہوا اور گل فروش کو اس بات پر سرزنش کی ہے کہ وہ ایسی لطیف چیز کو روپے کی خاطر بیچتا ہے۔ بارش کی بوندوں کو بیل گوش کے پتوں پر دیکھ کر اسے چشم عاشق کے آنسو یاد آتے ہیں۔ اس کے پتے اس کو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک سفید باز ایک ناسفتہ موتی اپنی چونچ میں لیے جا رہا ہے۔ اس وقت اس کو مئے اور معشوق کی یاد بھی آتی ہے۔

رودکی سمرقندی

ابن عبداللہ جعفر بن محمد رودکی سمرقند کے قریب قصبۂ رودک میں پیدا ہوا۔ رودکی کو ایران کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ اس کے اشعار نہ صرف اس کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ اس کے ہم عصر شاعر شہید بلخی اور معروف بلخی نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے اور جو شعرا خود کو بڑا مانتے تھے انہوں نے رودکی سے رقابت کا اظہار کیا ہے۔ عنصری جو قصیدہ کا استاد تھا اس نے غزل میں رودکی کی ہنرمندی اور استادی کی تعریف کی ہے۔

غزل رودکی وار نیکو بود
غزل ھائی من رودکی وارنیست

رودکی کی غزل اچھی ہے لیکن میری غزل رودکی کی طرح نہیں ہے۔

خاقانی کہتا ہے۔

رودکی آنکہ دُر ہمی سفتی
مدح سامانیاں ہمی گفتی

رودکی جوموتی پروتا ہے اس میں سامانیوں کی مدح کرتا ہے۔ اکثر عالموں اور فاضلوں نے بھی رودکی کی تعریف کی ہے۔ اسمٰعیل بن احمد سامانی کے مشہور وزیر ابوالفضل بلعمی کا قول ہے کہ عرب اور عجم میں رودکی کا جواب نہیں۔ بلعمی نے نہ صرف رودکی کی مدح کی ہے بلکہ صلہ وانعام بھی دیا ہے۔

رودکی کو قصیدہ، رباعی، مثنوی اور غزل تمام اصناف سخن پر عبور حاصل تھا۔ خاص طور پر قصیدہ نگاری میں وہ سب سے آگے تھا۔ اس کی شاعری میں بہت گہرے معنی ملتے ہیں۔ وہ قوی دل اور توانا فکر رکھتا تھا۔ اس نے بہت طویل عمر پائی تھی اور خوش حال زندگی بسر کی تھی۔ اگر اس کے اندھے ہونے کی روایت صحیح ہے تو اس کی بردباری کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ رودکی نے زندگی میں سعادت حاصل کرنے کے لیے چار وسائل دریافت کیے ہیں۔ خرد، تندرستی، نیک خوئی اور نیک نامی

چہار چیز مر آزادہ را زغم بخرد
تن درست و خوی نیک ونام نیک و خرد
ہرانکہ ایزدش این چہار روزی کرد
سزد کہ شاد زید جاوداں و غم نخورد

ایک طرف رودکی زندہ دلی، شادمانی اور دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کی دعوت دیتا ہے تو دوسری طرف وہ یہ بھی کہتا ہے کہ شان وشکوہ اور اس کے جلوہ کے فریب میں نہ آنا چاہیے۔

رودکی کہتا ہے کہ زندگی کے دن غفلت کے ساتھ نہیں بلکہ بیداری سے کاٹ دینا چاہیے۔

ریاکاری، ظاہرداری، خوش ظاہری اور بدباطنی خردمندوں کے نزدیک حرام ہے۔

رودکی سبک خراسانی میں شعر کہتا ہے۔ اس کے طرز کی خصوصیت سادگی، متانت اور سنجیدگی ہے۔

رودکی کی اہم تصنیف کلیلہ ودمنہ تھی لیکن یہ اب نہیں ملتی۔ اس خدمت کے صلہ میں بادشاہ نے اس کو انعام میں چالیس ہزار درہم دیے تھے۔ رودکی کے کلام میں معنی والفاظ کے لحاظ سے بڑی تازگی پائی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کا صرف ایک دیوان باقی ہے۔ رودکی نے 329ھ میں وفات پائی۔

دقیقی طوسی

اس کا نام ابومنصور محمد بن احمد تھا۔ یہ سامانی دور کا آخری بڑا شاعر تھا۔ اس کو سامانی دور میں رودکی کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ اس کو نوح بن منصور کے دور حکومت میں شہرت حاصل ہوئی۔ تذکرہ نویسوں میں بعض نے اس کا وطن بلخ بتلایا ہے اور بعض نے بخارا۔ صحیح یہ ہے کہ وہ بلخ کا رہنے والا تھا۔ دقیقی نے قصیدوں کے علاوہ غزل بھی لکھی تھی۔ عنصری جیسے بڑے شاعروں نے اس کی پیروی کی تھی۔ اس کی شہرت کا بڑا سبب شاہنامہ ہے۔ یہ شاہ نامہ اس نے امیر نوح بن منصور سامانی کے حکم سے نظم کرنا شروع کیا تھا۔ اور اس کا ایک حصہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک غلام کے

ہاتھوں مارا گیا۔ اس شاہنامہ کے ایک ہزار اشعار ملے اور فردوسی نے ان کو جوں کا توں اپنے شاہ نامہ میں شامل کرلیا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ابوشکور بلخی کس بادشاہ کے دربار سے تعلق رکھتا تھا؟
2. ابوالمویدبلخی کا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟
3. ابوالحسن بلخی نے کب وفات پائی؟
4. عمارہ مروزی نے کس کا مرثیہ لکھا؟
5. کسائی مروزی کا کس شاعر نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے؟ اس کے کلام کی خصوصیات کیا ہیں؟
6. رودکی سمرقندی کا نام کیا تھا؟ وہ کہاں پیدا ہوا؟
7. رودکی کے ہم عصر شاعر کون تھے؟
8. رودکی کے کلام کی خصوصیات بیان کیجیے۔
9. دقیقی کا نام کیا تھا اور وطن کہاں تھا؟
10. دقیقی نے کون سی مشہور نظم لکھی تھی؟
11. دقیقی نے یہ نظم کس صدی میں لکھی؟

10.4 سامانی دور کی نثر

اس دور میں نظم کے ساتھ نثر کو بھی ترقی ہوئی۔ بہت سی کتابیں آج ہم کو نہیں ملتیں۔ جو کتابیں محفوظ رہ گئیں ان میں سے ایک شاہ نامہ کا مقدمہ ہے۔ یہ مقدمہ طوس کے حاکم ابومنصور ابن عبدالرزاق کے حکم سے 349ھ میں لکھا گیا تھا۔ دوسری اہم کتاب تاریخ طبری کا ترجمہ ہے۔ اس کا مترجم عبدالملک بن نوح اور منصور بن نوح کا وزیر ابوعلی محمد بلعمی تھا۔ یہ عربی تاریخ ابومنصور کے حکم سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ یہ نہایت سادہ اور رواں نثر میں لکھی گئی ہے۔

سامانی عہد کی نثر میں ایک اور کتاب تفسیر طبری کا ترجمہ ہے۔ ان کتابوں کے سوا قرآن کے ترجمے اور تفسیر کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے۔ نثر کے کچھ نمونوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں نثر کس قدر آسان اور رواں تھی اس میں پیچیدہ عبارتیں کتنی کم تھیں۔ رسم الخط اور الفاظ کا تلفظ بھی آج کے رسم الخط اور الفاظ سے مختلف تھا۔

10.5 خلاصہ

دسویں اکائی میں سامانی دور کے فارسی ادب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بعد از اسلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں رسم الخط تبدیل ہوا۔ پہلوی کے بجائے عربی رسم الخط اختیار کیا گیا۔ اس اکائی میں سامانی دور کے فارسی ادب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سامانی دور کے شعرا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اور اس زمانے کی نظم ونثر کا جائزہ لیا گیا اور خاص طور سے رودکی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی امتحانی سوالات کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے

مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے بعض کتابوں کی سفارش بھی کی گئی ہے۔

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

1. سامانی دور کی شاعری کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیل سے لکھیے۔

2. سامانی دور کے مشہور شاعر کون تھے؟
3. سامانی دور کا بڑا شاعر ردو کی تھا۔ بحث کیجیے۔
4. سامانی دور کی نثر سے متعلق مشہور کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے بحث کیجیے۔

10.7 سفارش کردہ کتابیں

1. Literary History of Persia by E.G.Brown, Volume I
2. تاریخ ادبیات ایران ترجمہ مبارز الدین رفعت
3. تاریخ ادب ایران دکتر صفا

اکائی: 11 جدید فارسی نثر

ساخت

11.1 تمہید

11.2 جدید فارسی نثر کا اسلوبی و روایتی ارتقا

11.3 نثر جدید کا سیاسی و سماجی پس منظر

11.4 بازگشت ادبی یا قدیم طرز کی طرف مراجعت

11.5 فارسی نثر میں انقلاب کے اسباب یا سلسلۂ قاچار اور ادبی موڑ

11.6 جدید فارسی نثر کے پیش رو

11.7 سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ اور اس کی نثر

11.8 حاجی بابا اصفہانی اور اس کا طرز نگارش

11.9 جدید فارسی نثر پر مشروطیت یا آئینی حکومت کے اثرات

11.10 تخیلی ادب: ناول، ڈراما اور داستان

11.11 نمونہ امتحانی سوالات

11.12 سفارش کردہ کتابیں

11.1 تمہید

فارسی نظم و نثر کی تاریخ بہت قدیم بھی ہے اور وقیع بھی۔ فارسی نثر کے آغاز کے بارے میں کسی ایک قطعی تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ جن محققین نے فارسی ادب کی تاریخ پر کام کیا ہے وہ عام طور پر فارسی شاعری کی تاریخ آغاز کو فارسی نثر کی تاریخ ابتدا پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ان تحریری اسناد پر، جو دستیاب ہیں، اکتفا کرتے تو یہ بات درست سمجھتے، چوں کہ فارسی شاعری کے قدیم ترین موجود تحریری نمونے تیسری صدی ہجری کے نصف اول (نویں صدی عیسوی کے نصف اول) سے تعلق رکھتے ہیں اور فارسی نثر کے قدیم ترین دستیاب نمونے چوتھی صدی ہجری کے نصف اول (دسویں صدی عیسوی کے وسط) سے متعلق ہیں۔ بہر حال اس ضمن میں صرف ان تحریری اور دستیاب تصانیف پر اکتفا کرنا کافی نہیں بلکہ اس باب میں تاریخی روایات سے بھی استناد کیا جانا چاہیے۔

ان روایات میں ابوریحان بیرونی خوارزمی کا بہافرید پسر ماہ فرودین (مقتول 130ھ) اور اس کی کتاب کے بارے میں ایک بیان ہے۔ اس نے دوسری ہجری کے اوائل (آٹھویں صدی عیسوی کے وسط) میں خراسان میں ایک نئے دین کا اعلان کیا اور اپنے ماننے والوں کے لیے ایک کتاب لکھی جو کہتے ہیں فارسی میں تھی۔

عین اسی زمانے میں جب فارسی کے اولین آثار وجود میں آ رہے تھے، فارسی زبان میں قرآن کریم کی ایک تفسیر کی تالیف کو ایران کے ایک متکلم معتزلی ابوعلی جبائی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کی دوسری کتابیں ہیں، مثلاً رکن الدین دیلمی کے طبیب احمد بن محمد طبری کی ''المعالجۃ البقراطیہ''۔ کہتے ہیں یہ کتاب پہلے فارسی اور اس کے بعد عربی میں لکھی گئی۔ اس کی صرف عربی اصل اب دستیاب ہے۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب نعت سے متعلق ہے جسے ابوحفص سغدی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ غالباً وہی ابوحفص ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں زندہ تھے۔ اسی طرح دیگر کتابوں اور مآخذ میں

چند دوسری کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً وہ کتابیں جو ابو یوسف عروضی اور ابوالعلاء شوشتری نے فارسی میں عروض پر لکھیں اور بہرامی سرخسی کا خجستہ نامہ، غایۃ العروضیین اور کنز القافیہ۔ یہاں مقصد صرف یہ ہے کہ یہ وضاحت ہو جائے کہ فارسی زبان میں اب دستیاب کتابوں کی تالیف سے کچھ پہلے بعض کتابوں کی تالیف شروع ہو چکی تھی اور اگر اب یہ کتابیں دستیاب نہیں تو یہ تصور نہیں کرنا چاہیے کہ فارسی نثر، فارسی شاعری کے بعد وجود میں آئی۔

11.2 جدید فارسی نثر کا اسلوبی و روایتی ارتقا

فارسی نثر کے رواج کا واقعی زمانہ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) ہے جب مشہور سامانی بادشاہوں کا دور حکومت تھا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد ان بادشاہوں نے ایرانی رسم و رواج اور عربی ادب کے مقابلے میں ایرانی ادب کی از سر نو آزادی اور ترویج کے لیے واقعی کوششیں کیں۔ شاعروں، لکھنے والوں عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے والوں کی سرپرستی اور تشویق کے ذریعے، یہ بادشاہ چوتھی صدی ہجری کے دوران، بہتر ادبی تصانیف کی تخلیق میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح اس دور میں فارسی نثر میں گوناگوں موضوعات پر کتابیں تالیف کی گئیں۔ اس دور میں طب، فلسفہ، نجوم اور ریاضیات پر چند علمی رسالے لکھے گئے اور اس طرح بعد کے لوگوں کے لیے جو ان میدانوں میں کام کرنا چاہتے تھے، راہ ہموار ہو گئی۔

اس عہد میں فارسی نثر ایسی سادہ اور رواں زبان سے شروع ہوئی جو لوگوں کی بول چال کی زبان سے نزدیک تھی۔ حالانکہ مختلف گروہوں نے اس طرز میں کچھ تبدیلیاں کیں، لیکن یہ اسلوب فارسی ادب کے تمام ادوار میں اسی طرح باقی اور جاری رہا۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری (گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی) بھی ہر لحاظ سے چوتھی صدی ہجری کی جانشین ثابت ہوئی۔ ان دو صدیوں کے عرصے میں فارسی نثر نے بہتر طور پر ترقی کی منازل طے کیں۔ مختلف موضوعات پر محکم اور ماہرانہ اسلوب میں قابل قدر کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں جن موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں ان کی تعداد واقعتاً قابل ذکر ہے۔ تاریخ، سیاست، سماجی مطالب اور ادب کے گوناگوں امور کے سوا، اس عہد میں حکمت، طب، طبیعیات، ریاضیات، نجوم، فقہ، تفسیر، کلام، جغرافیہ، سوانح نگاری اور خصوصاً تصوف کے موضوعات پر متعدد معروف کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ ان کتابوں میں ادبی زبان یعنی فارسی دری نے مکمل پختگی اور ہمہ گیری حاصل کر لی۔ ان کتابوں میں لکھنے والوں کا اسلوب نگارش پختہ، محکم، استادانہ اور ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فارسی نثر کے بیشتر شاہکاروں کی تلاش خواہ وہ سادہ فارسی میں ہوں یا پر تکلف طرز میں، اسی عہد میں کی جانی چاہیے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فارسی نثر کے آغاز کے بارے میں اظہار خیال کیجیے۔
2. فارسی نثر و نظم کی ترقی کے لیے سامانی بادشاہوں کی کوشش کا جائزہ لیجیے۔

11.3 نثر جدید کا سیاسی و سماجی پس منظر

616 ہجری (1219 عیسوی) میں ایران اپنی تاریخ کی سب سے بڑی مصیبت اور سب سے زیادہ ہولناک حادثے کا شکار ہوا۔ یہ حادثہ چنگیز، اس کی اولاد اور جانشینوں کی رہبری میں مختلف زرد فام قوموں کا ایران پر حملہ ہے۔ یہ زبردست حادثہ ایران کے تمام ہی سماجی، عقلی، علمی اور ادبی امتیاز و برتری اور حتی کہ فارسی زبان پر بھی اثر انداز ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عسیوی) میں ایرانیوں نے اس زبردست دشواری کے باوجود اپنی تہذیب اور تمدن کی حفاظت کے لیے کوششیں کیں، لیکن آٹھویں صدی ہجری اور اس کے بعد زوال کے آثار روز بروز زیادہ شدت سے رونما ہوئے اور گہرے ہوتے چلے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ منگول حملے کے بعد اگر چہ صاحب قدرت لکھنے والے، جو اپنے پیشرؤوں کے کمالات کے وارث رہے ملتے ہیں۔ مثلاً افضل الدین کاشانی، خواجہ نصیر الدین طوسی، عطا ملک جوینی، سعدی شیرازی وغیرہ، لیکن اس کے بعد کی صدیوں میں استعداد و صلاحیت کی یہ زبردست روشنی ہماری آنکھوں کو چکا چوند نہیں کرتی اور بڑے بڑے فصحا جو فارسی نثر کے ابتدائی دور سے ساتویں صدی ہجری کے اواخر تک پیدا ہوتے رہے اب ناپید ہو جاتے ہیں۔

یہ بجا ہے کہ علوم ادب کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے والوں کی تعداد اس دور کے بعد زیادہ ہو جاتی ہے' لیکن تعداد کے اضافے کے ساتھ ساتھ زبان کی قوت' طرز نگارش و انشا میں قدرت' مطالب کی استواری' اور تالیفات میں غور و فکر کے لحاظ سے ان لکھنے والوں کی تصانیف کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ حالات بتدریج ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ نویں اور تیرہویں صدی (پندرہویں صدی سے انیسویں صدی تک) کی درمیانی مدت میں بہت سی کتابوں میں لغت' گرامر اور فارسی انشا کی عجیب و غریب غلطیاں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہر حال ان کتابوں میں تاریخ اور علمی اشتباہات ایک ایسا عنصر ہے کہ پڑھنے والے کو بس اس کی عادت سی پڑ جاتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فارسی نثر پر منگولوں کے حملے نے کیا اثر ڈالا؟

11.4 بازگشت ادبی یا قدیم طرز کی طرف مراجعت

بارہویں صدی ہجری کے وسط (اٹھارویں صدی عیسوی کا وسط) سے بعد کے عرصے میں فارسی ادب میں جدید عناصر رونما ہونے لگے۔ یہ جدید کیفیت جسے عموماً "بازگشت ادبی" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اصفہان میں ایک ادبی انجمن کی کارکردگی کا نتیجہ تھی' ساتویں' چھٹی' اور پانچویں صدی ہجری کی فارسی نظم و نثر کے احیا میں بہت موثر واقع ہوئی اور اس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ یہ انداز فکر اب بھی جاری ہے اور اس کے مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. "بازگشت ادبی" سے کیا مراد ہے؟

11.5 فارسی نثر میں انقلاب کے اسباب یا سلسلۂ قاچار اور ادبی موڑ

انیسویں صدی عیسوی ایران کی ادبی تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس صدی میں قاچاری خاندان نے زند خاندان کی حکومت کو ختم کر دیا۔ پہلا قاچاری بادشاہ آقا محمد قاچاری 1794ء میں باقاعدہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور تہران اس کا دارالخلافہ قرار پایا۔ قاچاریوں نے مضبوط مرکزی حکومت کے قیام کی شعوری کوششیں کیں۔ مغربی دنیا سے تعلقات استوار کرنے پر بھی توجہ دی گئی۔ زندگی کے بیشتر شعبوں میں اصلاح کے دور کا آغاز ہوا جس نے ادب پر بھی اپنا اثر ڈالا۔ اس اصلاح کے خاص خاص اسباب یہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔

1. نادر شاہ نے عہد صفوی اور ہندوستان سے لوٹ کر لائی گئی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ نادر اور افغانوں کے زوال کے بعد یہ کتابیں عام لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں۔ ان کے مطالعے نے ابتدائی قاچاری دور کے ابھرتے ہوئے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں پر اثر ڈالا۔
2. آقا محمد خاں اور فتح علی شاہ کی فتوحات کے بعد اور بالخصوص ناصر الدین شاہ کی طویل مدت سلطنت امن و سکون اور سلامتی کا زمانہ تھی۔ ایسے پرسکون ماحول میں تعلیم و تمدن کی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔
3. قاچاریوں نے ایک مضبوط مرکزی حکومت کا خواب دیکھا اور اس کو عملی بنانے کے لیے نا قابل افسروں اور جاگیرداروں کا استحصال کیا۔ انہوں نے ایک ایسے نئے طبقے کی سرپرستی کی جو پہلی بار حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لیے آگے آیا' اس طبقے نے اپنے علم میں اضافے کی کوشش کی۔
4. بیشتر قاچاری بادشاہ علم و ادب کے سرپرست تھے۔ اس کا بہتر نتیجہ یہ نکلا کہ عوام نے حصول تعلیم کی طرف توجہ کی۔
5. یورپ سے دوبارہ روابط استوار کرنے کی کوشش کی گئی۔ سیاسی و تجارتی تعلقات قائم کیے گئے۔ بڑی طاقتوں کے سفرا ایرانی دربار میں آنے لگے۔ ان طاقتوں کا ہندوستان میں اپنا مفاد تھا۔ برطانیہ' روس اور فرانس کی مخاصمت کی وجہ سے یورپین وفود نے فتح علی شاہ کے دربار میں کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ نپولین بونا پارٹ کے دور رس پروگراموں نے ایران کو یورپ کے سیاسی محور پر لا کھڑا کیا۔ یورپ سے ان تعلقات نے وہاں کے ادب اور ادبی رویوں کو ایران میں متعارف کرایا۔

6. 1864ء میں تار برقی کے آ جانے اور ہند یورپی لائنوں سے اس کے جڑ جانے کی وجہ سے ایران اور دنیا کے باقی حصوں سے رسل و رسائل میں مزید اضافہ ہوا۔ اس طریقے سے ایران کو اس دور کی جدید دنیا سے سبق سیکھنے کا موقع ملا۔

7. روس سے یکے بعد دیگرے شکست اور ''گلستان'' اور ''ترکمانچہ'' کی وحشت ناک حکایتوں نے بھی ایرانی حکمرانوں کو جگا دیا اور انہیں اپنی ہمہ گیر کمزوریوں کا احساس ہوا جسے دور کرنے کے لیے انہیں باہر کی حامی حکومتوں سے روابط برقرار رکھنے پر آمادہ کیا۔

8. ناصرالدین شاہ اور مظفرالدین شاہ کے یورپین ممالک کے دوروں نے بھی زندگی، سماج اور ادب کے بارے میں ان کے انداز فکر پر مثبت اثر ڈالا۔

9. ایران میں 1812ء میں فن طباعت کا رواج ہوا۔ اس فن کے رواج نے ادبی اسالیب اور ادبی پیرایۂ بیان کے رخ کو بھی متاثر کیا۔ اب پڑھنے والوں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا اور ان کے میلانات کو ادب میں جگہ دی گئی۔ اب وہ دور آ گیا جس میں کتابیں، رسالے، درسی کتابیں اور یورپین تصانیف کے فارسی ترجمے شائع کیے گئے اور شائقین کے لیے بازاروں میں فراہم کیے گئے۔ اس طرح ترقی پسندانہ طور پر غور و فکر کرنے والوں کے ذہن جاگے، متحرک ہوئے اور آنے والے ادبی انقلاب کے لیے آمادہ ہوئے۔

10. ایران میں ادبی انقلاب کی کامیابی میں صحافت کا بھی اہم رول رہا ہے۔ سب سے پہلا اخبار محمد شاہ قاچار کے دور میں 1253ھ (1827ء) میں شائع ہوا۔ یہ ایک ماہنامہ تھا جو بہت دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا صالح شیرازی تھے جنہوں نے چھاپے خانے کا کام انگلینڈ میں سیکھا تھا۔ اس کے بعد 1851ء میں تہران سے ایک اخبار ''روزنامہ وقایع اتفاقیہ'' باقاعدہ شائع ہونا شروع ہوا۔ ایران کے ابتدائی دور کے چند اخبارات میں سے جو خاص طور سے انقلاب برپا کرنے میں موثر ثابت ہوئے، مرزا ملکم خان کا ''روزنامہ قانون'' خاص اہمیت کا حامل تھا۔

11. یورپین طرز کی نئی تعلیم گاہوں کا قیام اور سائنس اور دیگر جدید مضامین کی تعلیم نے بھی ترقی کے اس میدان میں زندگی کے مختلف شعبوں کو متاثر کیا۔ ان میں ''دارالفنون'' نام کے سرکاری کالج کا قیام بہت اہمیت کا حامل ہے جو 1851ء میں تہران میں قائم کیا گیا۔ اس کالج میں یورپین اساتذہ کی نگرانی میں نئی نسل کی تربیت کی گئی۔ اسی کالج سے تکنیکی اور سائنسی کتابیں یا تو یورپین زبانوں سے براہ راست ترجمہ کی گئیں یا ان کی تلخیص کی گئی۔ اس دور میں طلبا کی ایک اچھی خاصی تعداد کو حکومت نے وظائف دے کر اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھیجا جو واپسی پر اپنے ساتھ مغربی نظریات لے کر آئے جس سے ایران کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فارسی نثر میں تبدیلی کے اسباب کا جائزہ لیجیے۔
2. ایران کے یورپ سے تعلقات نے فارسی نثر پر کیا اثر ڈالا۔

11.6 جدید فارسی نثر کے پیش رو

ادبی انقلاب برپا کرنے میں قاچاری دور کے دو وزرائے اعظم کی کوششوں کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ یہ قائم مقام فراہانی اور امیر کبیر ہیں جن کا مثل ایران نے اب تک پیدا نہیں کیا۔ اس دور میں دو اور سیاسی اور ادبی شخصیتیں بھی ایرانی افق پر نمودار ہوئیں یہ مرزا ملکم خاں اور عبدالرحیم طالبوف ہیں۔

محمد شاہ قاچار کے ممتاز وزیر اعظم قائم مقام فراہانی (1779-1835ء) ایک منفرد صاحب طرز نثر نگار تھے۔ یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دفتری خط و کتابت کے مرصع انداز نگارش کو بدلا۔ اب نسبتاً آسان اور سادہ طرز پر اصرار کیا جانے لگا۔ چوں کہ ادبی اور سیاسی حیثیت سے ان کی اہمیت مسلم تھی اس لیے ان کے اسلوب نگارش کی ان کے بیشتر معاصرین نے پیروی کی۔ یہ بات بہر حال بھولنی نہیں چاہیے کہ ان کی نثر بھی کہیں کہیں غیر ضروری مرصع نگاری سے گرانبار ہے۔ اس کی وجہ ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری کے بقول:

> ''اب جب ہم قائم مقام فراہانی کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں تو غیر ضروری الفاظ ہمارے ذہنوں کو بے چین کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قدر رائج ادبی اسلوب سے مکمل انحراف ممکن ہی نہ تھا۔''

امیر کبیر، مرزا تقی خاں ایک روشن فکر اور ترقی پسند وزیر اعظم تھے جنہوں نے ادبی میدان میں قائم مقام فراہانی کے ادھورے کام کی تکمیل کا بیڑہ

اٹھایا۔انہوں نے سرکاری مراسلات ومکاتبات کے انداز بیان کواور زیادہ سادہ اور سلیس بنانے کا کام جاری رکھا۔اس وزیر کے تابناک لیکن مختصر عہد اوران کے غیر معمولی کاموں کا ایران کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ان کا تکلفات سے عاری اسلوب بیان اوران کے ترقی پسندانہ خیالات کی گونج ان کے انتقال کے بعد بھی ایران میں سنائی دیتی رہی۔امیر کبیر کے اسلوب نگارش نے سرکاری مراسلات' معاصر لکھنے والوں کی تحریروں اورحتی کہ ناصرالدین شاہ قاچار کے سفر ناموں کو بھی متاثر کیا ہے۔

ان دووزرائے اعظم کے علاوہ مرزا ملکم خاں وہ شخص ہیں جن کو جدید فارسی نثر کا اصل پیشرو قرار دینا چاہیے۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب یہ یورپ سے ایران واپس آئے تو ''دارالفنون'' میں درس وتدریس پر مامور ہوئے۔اس کالج میں وہ یورپین پروفیسروں کے مترجم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ان کے انقلابی اورترقی پسندانہ خیالات کی وجہ سے انہیں قسطنطنیہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا گیا جہاں انہوں نے بہت سے ڈرامے اورمتعدد سیاسی وسماجی نوعیت کے رسالے لکھے۔1871ء میں انہیں ایران بلالیا گیا اور نظام الملک کا خطاب دیا گیا' ان کے خیالات پھر ایک بار حکومت وقت کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئے۔ملکم خان لندن چلے گئے جہاں سے انہوں نے روزنامہ ''قانون'' شائع کرنا شروع کیا۔ملکم خاں نے مشروطیت (آئینی حکومت) کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ان کا اسلوب بیان کلاسیکی فارسی نثر نگاروں کے طرز کے مقابلے میں یورپین مصنفین کے اسلوب سے زیادہ متاثر تھا۔اگرچہ ان کی تحریروں میں کہیں کہیں قواعد کی غلطیاں اور تصورات کا عدم استحکام ملتا ہے' لیکن ان کا سادہ اور براہ راست انداز بیان اور خود مطالب کی ندرت قارئین کی دلچسپی کا باعث رہا ہے۔

عبدالرحیم طالبوف وہ ایرانی مصنف ہے جس نے فارسی زبان کو جدید علوم سے روشناس کرایا۔ان کی کتابیں عام طور پر سادہ اور عام فہم انداز بیان میں لکھی گئی ہیں۔ان کی شہرت کا دارومدار خاص طور پر ان کی آخری تصنیف **مسالك المحسنين** پر ہے جو قاہرہ سے 1905ء میں شائع ہوئی تھی۔اسے ایک غیر معمولی اوراہم کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔یہ کتاب اگرچہ جدید علوم وفنون کی قلمرو میں ایک سراب کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس میں زندگی کے مختلف شعبوں' انسانوں کی عادات واطوار کا نہایت واضح بیان ملتا ہے۔طالبوف کی دوسری تصنیف ''پندنامۂ سارتوس'' ہے۔یہ اور ہیئت ''فلامریون'' براہ راست روسی سے فارسی میں ترجمے ہیں۔ان کے علاوہ ''مسائل الحیات''، ''نخبۂ سپہری''، ''سیاست طالبی''، ''آزادی چہ چیز است'' اور ''سفینۂ طالبی'' ان کی اہم کتابیں ہیں۔طالبوف کی تحریروں کو تبریز کے بعض علما نے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور انہیں ملحد قرار دیا لیکن اپنی تالیفات کی وجہ سے انہیں ایسی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی کہ مشروطیت کے قیام کے بعد تبریز کے عوام نے ان کی غیر موجودگی میں انہیں ''پہلی مجلس'' کا ڈپٹی منتخب کردیا۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. فارسی اخبارات کی نشر پر اظہار خیال کیجیے۔
2. قائم مقام فراہانی کی نثر پر رشنی ڈالیے۔
3. ملکم خان کو جدید فارسی نثر کا پیش رو کہا جاتا ہے؟ اس کی وجہ بیان کیجیے۔

11.7 سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ اوراس کی نثر

اسی دور کے آس پاس لکھی جانے والی دو فارسی کتابوں کا ذکر بھی یہاں لازمی ہے۔ان کتابوں نے آنے والے زمانے' لوگوں کو بیدار کرنے اور ایران میں ادبی نشاۃ الثانیہ پر غیر معمولی اثر ڈالا۔یہ کتابیں ''سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ'' اور جیمز موریر کے غیر معمولی اہمیت کے حامل ناول کا فارسی ترجمہ ہے جو ''حاجی بابا اصفہانی'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ وہ پہلی کوشش ہے جو یورپین خطوط اور انداز بیان میں فارسی ناول لکھنے کے لیے کی گئی ہے۔یہ تین جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔مشروطیت سے پہلے اس کتاب کی پہلی جلد شائع ہوئی اور ایران میں ایک ہل چل مچ گئی اس جلد پر مصنف کا نام درج نہیں تھا۔چونکہ اس میں حکومت وقت اوراس دور کے حالات پر سخت تنقید کی گئی تھی' اس لیے حکومت وقت نے اس کے پڑھنے والوں پر جرمانے عائد کئے اور متعدد لوگوں کو اس کے مصنف

ہونے کے شبہ میں گرفتار بھی کیا۔ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور پڑھنے والوں نے چوری چھپے اس کا مطالعہ جاری رکھا۔ اس کی تیسری جلد شائع ہونے کے بعد بھی عوام اس کے مصنف سے ناواقف رہے۔ اس کے مصنف بہر حال زین العابدین مراغہ ای تھے جو 1837ء میں پیدا ہوئے تھے۔

سیاحت نامہ ایک ایسے تبریزی تاجر کے لڑکے کی کہانی ہے جو مصر میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی پرورش ہوئی۔ اس نے اپنے والد سے حب الوطنی، مادر وطن اور اس کے قدیم تمدن سے انتہائی محبت کا سبق سیکھا اور والد کی وصیت کے مطابق اپنے اتالیق کے ساتھ ایران کا سفر کیا۔ اس نے اپنے تصورات کے برخلاف، ایران کو، جسے اس کے والد جنت نشان کہا کرتے تھے، ظلم وستم اور بدبختی اور سماجی تاریکی کی آماج گاہ پایا۔ حتی کہ اس نے فارسی زبان کے الف بے اور اس کی قدیم مرصع طرز نگارش کو بھی ہدف ملامت بنایا ہے۔

مطالب سے قطع نظر، سیاحت نامہ کا اسلوب نگارش بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مصنف فارسی کے ان اولین لکھنے والوں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے قدیم مرصع نگاری کو خیر باد کہا اور روزمرہ کی بول چال کی زبان کو اپنا وسیلۂ اظہار بنایا۔ اس کی زبان سلاست وروانی کی وجہ سے منفرد ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کی نثری خصوصیات بیان کیجیے۔

11.8 حاجی بابا اصفہانی اور اس کا طرز نگارش

''حاجی بابا اصفہانی'' وہ دوسرا ممتاز ادبی کارنامہ ہے جس کے اسلوب نگارش نے جدید فارسی نثر کو متاثر کیا ہے۔ یہ دراصل، جیمس موریر کے دلکش اور پرلطف انگریزی ناول کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم مرزا حبیب اصفہانی ہیں۔ ''حاجی بابا اصفہانی'' ایران کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی تصویر ہے لیکن یہ تصویر کشی کبھی کبھی خلاف عقل اور مبالغہ آمیز بیانات پر مبنی ہے، اس لیے حاجی بابا کو ایک مثالی ایرانی قرار دینا گمراہی کا باعث ہے۔

''حاجی بابا'' کو اصل کتاب کا آزاد ترجمہ قرار دیا جانا چاہیے۔ مترجم نے اصل میں ترمیم واضافہ سے گریز نہیں کیا ہے۔ ہر ہر صفحے پر چھوٹے چھوٹے اضافے اور ترمیمیں نظر آتی ہیں۔ سماجی اور سیاسی اعتبار سے اس کتاب کا ایرانی سماج پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اس کتاب نے ایرانیوں کو بیدار کیا انہیں انقلاب کے لیے آمادہ کیا۔ ادبی نقطۂ نظر سے بھی یہ ایک کامیاب ترجمہ ہے۔ اس کا اسلوب فارسی نثر میں ایک اضافہ ہے۔ بہت سے جدید مصنفین آج بھی اس کے اسلوب کی پیروی کرتے ہیں اور اسے فارسی کی ایک اہم جدید تخلیق قرار دیتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ''حاجی بابا اصفہانی'' کا فارسی نثر کی تاریخ میں مقام متعین کیجیے۔

11.9 جدید فارسی نثر پر مشروطیت یا آئینی حکومت کے اثرات

ایران میں مشروطیت (آئینی حکومت) کی تحریک کی بڑی اہمیت ہے۔ اس تحریک کا آغاز 'عدالت خانہ' کی مانگ سے ہوا۔ جوں جوں یہ تحریک زور پکڑتی گئی، لوگوں نے باقاعدہ آئین اور نمائندہ مجلس ملی (پارلیمنٹ) کی مانگ بھی شروع کردی۔ یہ تحریک 1905 سے 1911ء تک جاری رہی۔ بادشاہ وقت مظفر الدین شاہ کو عوام کی یہ مانگ ماننی پڑی۔ 1906 میں پہلی مجلس وجود میں آئی۔ اس تحریک کے دوران خود ادب بھی متاثر ہوا۔ مشروطیت کی تحریک کے بعد کے دور تک چھ دہائیوں کی تاریخ کو تین بڑے سیاسی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. پہلا دور : زمانۂ مشروطیت سے رضا شاہ کی حکومت کے خاتمے تک (1905-21ء)
2. دوسرا دور: رضا شاہ کی سلطنت کا زمانہ (1921-41ء)
3. تیسرا دور: رضا شاہ کی تخت وتاج سے دستبرداری سے آج تک

انیسویں صدی کے اوائل سے جو سیاسی وسماجی تبدیلیاں وجود میں آئیں، ان کے نتیجے میں ایرانی سماج میں قابل قدر بیداری پیدا ہوئی۔ قدامت ایک قابل نفرت لفظ اور رویہ قرار پایا۔ خود قدیم (یا کلاسیکل) ادب بھی شدید تنقید کا نشانہ بنا۔

11.10 تخیلی ادب: ناول، ڈراما اور داستان

اب فارسی میں جو نئے ادبی رجحانات پیدا ہوئے ان کے نتیجے میں ناول، ڈرامہ، سفرنامہ، مختصر کہانیاں، تحقیقی اور ادبی نوعیت کے مضامین، دوسری زبانوں سے فارسی میں تراجم وغیرہ پر خاص زور دیا گیا۔ ان کا ایک مختصر تعارف درج ذیل ہے:

ناول:

انیسویں صدی میں جو سیاسی اتھل پتھل ایران میں نظر آتی ہے، اس کا اثر ادبی زندگی پر بھی پڑا۔ مصنفین اب زندگی کے مثبت پہلو کی طرف راغب ہوئے اور انہوں نے تخلیقی ادب کا رخ کیا۔ انہوں نے فرضی اور داستانی موضوعات کا انتخاب کیا۔ حب الوطنی کا اظہار ملک کے شاندار ماضی کی عکاسی کے ساتھ کیا جانے لگا اور تاریخی ناول نویسی مرکز توجہ قرار پائی۔ اس نوعیت کے ناولوں میں سب سے اہم وہ ہیں جو شہزادہ محمد باقر خسروی، شیخ موسیٰ ناصری، حسن خاں 'صنعت زادہ کرمانی وغیرہ کی تخلیق ہیں۔ ''شمس الطغرا'' وہ پہلا ناول ہے جس کے مصنف محمد باقر خسروی ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی کے ایران کی سماجی معلومات پر مبنی یہ ناول ایک قابل قدر کتاب ہے۔ معاصر رہن سہن، شادی بیاہ کی رسمیں، قبائلی سرداروں کا کردار، پہلوانوں، فریب کاروں، شکاری مہموں، ایران اور اسلامی ممالک کے تاریخی مقامات وغیرہ کا بیان اس ناول میں نظر آتا ہے۔ یہ پورا محاسبہ تاریخی اسناد پر مبنی ہے۔ اس میں مصنف نے تاریخی مواد سے انحراف نہیں کیا ہے اور قدیم فارسی طرز نگارش کو خیرباد کہا ہے اور مغربی طرز کو اپنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسے لاثانی ادبی کوشش قرار دیا جاتا ہے۔

جمال زادہ وہ ایرانی مصنف ہے جس نے ایران میں ناول اور مختصر کہانیوں کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس کا پہلا کارنامہ ''یکی بود و یکی نبود'' ہے اس ناول میں غیر معمولی طور پر عوامی زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کتاب نے جدید فارسی نثری ادب کے میدان میں ایک منشور کا کام کیا ہے۔ جمال زادہ کا انداز نگارش جو آج بھی لکھنے والوں کے لیے نمونہ قرار پاتا ہے، آغاز میں بہت زیادہ مقبول نہیں رہا، یہاں تک کہ صادق ہدایت نے اس کے طرز کی تکمیل کی۔ موجودہ لکھنے والے خاص طور پر صادق ہدایت کے اثر و نفوذ سے ہی اس غیر مانوس انداز تحریر کی طرف راغب ہوئے۔

علی دشتی وہ ایرانی مصنف ہے جس نے اپنی تحریروں سے ایران کی سماجی اور سیاسی زندگی میں نئی جان ڈالی ہے۔ اس کی کتابیں ایام محبس، سایہ، نقشی از حافظ، سیری در دیوان شمس، شاعری دیر آشنا وغیرہ ایران کے عظیم کلاسیکی ورثے کی تشخیص کے لیے ایک جدید سفر ہے۔ اس کے علاوہ علی دشتی کی مختصر کہانیاں ایران کے سماج کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ جن میں مصنف نے سماج کے اچھے اور برے پہلوؤں پر بڑی جسارت سے لکھا ہے۔

محمد حجازی بھی اس دور کا ایک دوسرا اہم مصنف ہے جس نے ناول، انشائیے اور افسانے لکھے ہیں۔ اسکے ناول 'ھما'، ''پری چہر'' اور ''زیبا'' اس کی شہرت کے ضامن ہیں۔ مصنف نے ان تینوں ناولوں میں ایرانی عورت کے کردار کی خصوصی عکاسی کی ہے۔ حجازی کا ناول زیبا جدید فارسی نثری ادب کے اچھے تخلیقی فن پاروں میں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حجازی کو اس حساس ایرانی طبقے کا نمائندہ بتایا جاتا ہے جو مغرب سے مربوط ہے۔

صادق ہدایت کو ایران کا نمائندہ تخلیق کار سمجھا جاتا ہے۔ یورپ سے واپسی کے بعد ہدایت نے اپنی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ''زندہ بہ گور'' 1930ء میں شائع کیا۔ وہ اس ترقی پسند گروہ کے لیے مرکز توجہ بن گیا جو قدامت کے ہر ہر پہلو کو ہدف ملامت بنا رہے تھے۔ ہدایت کو ایسا پہلا ایرانی تخلیق کار سمجھا جاتا ہے جس نے قومی ثقافت میں لوک کہانیوں اور مقبول عام گیتوں کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی کتاب ''نیرنگستان'' اسی نوعیت کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ طنز ہدایت کے فن کی ایک دائمی خصوصیت ہے۔ یہ خصوصیت نہ صرف اس کے طنزیہ کارناموں بلکہ اس کی اکثر و بیشتر تحریروں میں تمسخر آمیز اداسی کے ساتھ منعکس ہوتی ہے۔ بوف کور ہدایت کی وہ تخلیق ہے جس میں وہ سماج اور معاشرے کی برائیوں سے ایک طرف ہو کر، خود احتسابی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔

ان عظیم مصنفین کے علاوہ جن لکھنے والوں نے فارسی نثر میں اپنا نقش چھوڑا ہے ان کے نام یہ ہیں:

بزرگ علوی، صادق چوبک، تقی مدرسی، علی محمد افغانی

ان تمام لکھنے والوں نے کلاسیکی زبان کے مقابلے میں ایک جدید زبان استعمال کی ہے جو سادہ ہے اور بے جا ادبی تکلفات سے پاک ہے۔ ان کے مخاطب چوں کہ عام لوگ ہیں، اس لیے ان کی زبان بھی ان عام لوگوں کی زبان سے نسبتاً زیادہ قریب ہے۔ جدید لکھنے والوں کی تخلیقات کی اہمیت کا

اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے بعض لکھنے والوں کی کتابیں ایران سے باہر کی دنیا میں بھی قابل توجہ قرار پائی ہیں اور ان کے یورپین اور دوسری زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے معروف نقادوں نے ان پر اپنی اچھی یا بری رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔

آج کے ایرانی لکھنے والے، مختلف فکری مسائل پر لکھنے میں سرگرم عمل ہیں۔ سنجیدہ اور مزاحیہ انداز میں رومان، مختصر داستانیں، ڈرامے وغیرہ لکھے جارہے ہیں۔ ایسی تصانیف کے ذریعے ادبی تنقید، تاریخی اور ادبی تحقیقات اور سماجی تنقید ایران میں روز بروز بڑھ رہی ہے۔ 1324 ھجری (1906ء) میں مشروطیت کے اعلان کے بعد سے ہمارے زمانے تک، ایران میں متعدد مصنف اور مترجم پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کے موضوعات میں تنوع بھی بہت زیادہ ہے۔

ان تمام لکھنے والوں میں جو مشترک خصوصیات ہیں، ان کو اس طرح مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے:

قدیم پیچیدہ اور مسجع طرز تحریر کے بجائے، اب جدید سادہ نویسی اختیار کی گئی ہے۔ نئی تراکیب اور الفاظ فارسی میں داخل ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض ایجاد کیے گئے ہیں۔ کچھ یورپ کی اور بعض ترکی اور عربی زبانوں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ جدید تراکیب و اصطلاحات اور نئے افکار و خیالات اپنائے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان عوامل نے فارسی نثر کو گوناں گوں افکار کو قبول کرنے اور انہیں بیان کرنے کے قابل بنادیا ہے۔

11.11 نمونہ امتحانی سوالات

1. جدید نثر کی لسانی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
2. صادق ہدایت کی ادبی کامیابیوں کا ذکر کیجیے۔
3. آج کے لکھنے والوں کے لیے ایرانی سماج ایک اہم موضوع ہے، وجہ بیان کیجیے۔
4. چند عظیم ایرانی ناول نگاروں کا تعارف کرائیے۔
5. ایران میں لکھی جانے والی مختصر کہانیوں کی کیا اہمیت ہے؟
6. تاریخی ناول سے کیا مراد ہے؟
7. ایران میں تاریخی ناول نگاری کی مختصر تاریخ لکھیے۔
8. انیسویں صدی کو ایران میں ادبی لحاظ سے کیا اہمیت حاصل ہے؟
9. مشروطیت کی تحریک سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ بیان کیجیے۔
10. کلاسیکی اور جدید فارسی نثر میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کیجیے۔
11. فارسی نثر کے آغاز کے بارے میں اظہار خیال کیجیے۔
12. فارسی نظم و نثر کی ترقی کے لیے سامانی بادشاہوں کی کوششوں کا ذکر کیجیے۔
13. فارسی نثر پر منگولوں کے حملے نے کیا اثر ڈالا؟
14. بازگشتِ ادبی سے کیا مراد ہے؟
15. فارسی نثر میں تبدیلی کے اسباب کا جائزہ لیجیے۔
16. ایران کے یورپ سے تعلقات نے فارسی ادب پر کیا اثر ڈالا؟
17. فارسی اخبارات کی نثر پر اظہار خیال کیجیے۔
18. قائم مقام فراہانی کی نثر پر روشنی ڈالیے۔

19. ملکم خان کو جدید فارسی نثر کا پیشرو کہا جاتا ہے، اس کی وجہ بیان کیجیے۔
20. سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کی نثری خصوصیات بیان کیجیے۔
21. حاجی بابا اصفہانی کا فارسی نثر کی تاریخ میں کیا مقام ہے؟

11.12 سفارش کردہ کتابیں

1. ایراج افشار، تہران 1951ء — نثر فارسی معاصر
2. ترجمہ پروفیسر شریف حسین قاسمی، انڈو پرشین سوسائٹی، دہلی 1981ء — فارسی نثر کی تاریخ
3. ناظم الاسلام، تہران 1909ء — تاریخ بیداری ایرانیاں
4. (مجموعہ مقالات) تہران 1954ء — عقائد و افکار دربارۂ صادق ہدایت
5. علی اصغر حکمت، تہران 1951ء — پارسی نغز
6. ملک الشعرا بہار، (تین جلدیں) تہران 1942ء — سبک شناسی
7. پرویز ناتل خانلری، تہران — نثر فارسی در دورۂ اخیر
8. سعید نفیسی، تہران 1951ء — شہکارہای نثر فارسی معاصر
9. رشید یاسمی، تہران 1937ء — ادبیات معاصر
10. Hasan Kamshad — Modern Persian Prose Literature

اکائی: 12 جدید فارسی شاعری

ساخت

12.1 تمہید

12.2 جدید فارسی شاعری کے محرکات اور آغاز

12.3 جدید فارسی شاعری: پس منظر، ادبی اقدار، سیاسی و سماجی کشمکش

12.4 دورۂ قاچار اور شاعروں کا ردعمل

12.5 آئینی حکومت اور جدید شاعری کے میلانات

12.6 شعر نو میں نئے اصناف سخن

12.7 شعر نو اور جدید قالب شعر

12.8 شعر نو کے برگزیدہ شاعر

12.9 شعر موج نو و اندازِ تمثیلی

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.11 سفارش کردہ کتابیں

12.1 تمہید

فارسی شاعری کی مکمل تاریخ کو آسانی سے سمجھنے کے لیے قدیم زمانے سے موجودہ عصر تک اس کے چھ مختلف ادوار یا اسالیب متعین کیے گئے ہیں۔ سبک خراسانی، سبک عراقی، سبک ہندی، سبک بازگشت، سبک مشروطیت (سبک جدید بھی اسی کو کہتے ہیں) اور شعر نو۔ جب سبک ہندی میں تکلف، تصنع اور دقت پسندی حد سے بڑھی تو شعرا کا ایک گروہ پیدا ہوا جس نے اس تصنع، تکلف، بے پناہ خیال پردازی کے خلاف آواز بلند کی اور علمی طور پر اس کے خلاف قدم اٹھایا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ نسبتاً ایک اہم تحریک، فارسی شاعری میں شروع ہوئی۔

12.2 جدید فارسی کے محرکات اور آغاز

جدید فارسی شاعری کی اس تحریک کا مقصد رائج الوقت انداز بیان اور طرز فکر کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور پانچ چھ صدی قبل کے مقابلتاً آسان، سادہ اور بے تکلف طرز شاعری (سبک خراسانی) کا احیا کرنا تھا۔ اس تحریک کو شروع کرنے اور موثر بنانے والوں میں سید محمد شعلہ اصفہانی (وفات 1747)، مرزا محمد نصیر اصفہانی (وفات 1778ء) اور ان سب سے زیادہ معروف میر سید علی مشتاق اصفہانی (وفات 1775ء) کی شخصیت ہے جن کا اپنا ذوق و سلیقہ غزل سرائی قابل تعریف ہے۔ ان شعرا کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اصفہان میں جوان شعرا کے ایک گروہ نے ان کی پیروی کی اور آقا محمد خیاط عاشق اصفہانی (وفات 1767ء)، آقا محمد تقی صہبائی قمی (وفات 1777ء) لطف علی بیگ آذر بیگدلی شاملو (وفات 1781: سید ہاتف اصفہانی (وفات 1784ء) اور حاجی سلیمان صباحی کاشانی (وفات 92-1791ء) وہ شعرا ہیں جنہوں نے سبک ہندی میں تصنع اور تکلف کے خارزار سے نکلنے کی کامیاب اور بامعنی کوشش کی اور فارسی شاعری کے ابتدائی طرز سبک خراسانی کا احیا کیا۔ فارسی کے قدیم اساتذہ کے کلام کی پیروی کو اپنا شعار بنایا۔ اس دور کو "دورۂ

بازگشت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ سبک بازگشت' زند دور (1750-1794ء) کے آخر سے شروع ہوتا ہے اور قاچاری بادشاہوں کے پورے دور سلطنت (1779-1924ء) میں یہی طرز شاعری رائج رہتا ہے اور مشروطیت (ایک آئینی حکومت کی مانگ) کے اوائل تک فارسی شاعری اس طرز سے متاثر رہتی ہے۔ ایران میں یہ پہلی اجتماعی کوشش ہے جو شاعری کو سہل اور زیادہ لوگوں کے لیے اسے قابل استفادہ بنانے کی غرض سے کی گئی۔ جدید فارسی شاعری بھی اسی طرح کے ایک انقلاب کا نام ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. جدید فارسی شاعری سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔
2. فارسی شاعری کے محرکات پر روشنی ڈالیے۔

12.3 جدید فارسی شاعری: پس منظر' ادبی اقدار و سماجی کشمکش

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ادبی انقلاب اور سماجی انقلاب لازم و ملزوم ہیں۔ جب کبھی انسان اپنے ماحول سے اور حالات سے ناامید ہو کر سماجی انقلاب یا سیاسی تبدیلیوں کا خواہاں ہوتا ہے تو ادب ان انقلابی رجحانات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا' بلکہ ان کا عکاس ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ادب ان رجحانات کی رہنمائی کرتا ہے۔ ادب بہر حال اس دور کی صدائے بازگشت ہی تو ہے جس دور میں اس کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ایرانی شاعری میں جو انقلاب اور تبدیلی رونما ہوئی وہ صرف شاعری کے بارے میں نئے افکار و خیالات کا نتیجہ نہیں' بلکہ نئے سماجی افکار و خیالات' مشروطیت کی تحریک اور اس کے نتیجے میں زندگی کے ہر میدان میں انقلاب' تبدیلی اور تجدد کی خواہش' شاعری میں جدید رجحانات اور تجدد طلبی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ایران میں تیرہویں صدی ہجری/انیسویں صدی کے اوائل سے سیاسی اور سماجی بے چینی اور بے اطمینانی رونما ہوتی ہے۔ مغرب کے سیاسی' تمدنی اور تہذیبی اثرات اور کچھ دوسرے داخلی عوامل کی وجہ سے' ایرانی جواں نسل اور تعلیم یافتہ لوگوں کے دل و دماغ میں ایک قسم کی بیداری اور آگہی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جو ایران میں روشن فکر اور ترقی پسند گروہ تشکیل دیتا ہے اور بتدریج مروجہ ایرانی زندگی' سماج' سیاست اور معاصر حکام سے بے زار ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سماجی اور روایتی ماحول ان کے لیے ناقابل برداشت بن جاتا ہے۔ ایرانی زندگی کے ہر میدان میں جو ایک صدیوں پرانا جمود طاری تھا' ان کے لیے روح فرسا ثابت ہوتا ہے اور یہ طبقہ اس جمود کے خلاف صف آرا ہو جاتا ہے۔

حکومت وقت سے اختلاف شروع ہوتا ہے۔ یہ اختلاف کچھ اس طرح رونما ہوتا ہے کہ حکومت بھی اس روشن فکر طبقے کے وجود کی قائل ہو جاتی ہے۔ سماجی انقلاب کی خواہش' سیاسی تبدیلیوں کی ضرورت کو اپنے دامن میں پناہ دیے' آہستہ آہستہ زور پکڑتی رہتی ہے۔

حکام کا ظلم و تشدد' امرا و وزرا کی ناز یبا اور شرارت انگیز حرکتیں' رشوت اور کالا بازاری کی صریح آزادی' قومی اور ملی آمدنی اور دولت و ثروت کے ذرائع کی ناجائز اور بے باکانہ خرید و فروخت اور اسی کے ساتھ لوگوں میں پھیلی ہوئی قابل رحم اور عبرت ناک غربت اور پس ماندگی اس روشن فکر طبقے کے روح و وجدان میں سرکشی اور بغاوت کا ایک خوفناک طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ یورپ کی استعمار گری اور سارے ایشیا کو اپنی نوآبادی میں تبدیل کرنے کا غیر انسانی پروگرام اور اس کے ساتھ وحدت اسلامی وغیرہ جیسی تحریکیں' ایرانی روشن فکر طبقے کو قائل کر دیتی ہیں کہ اب ان کے منظم ہونے' حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور اپنے وطن عزیز کی قسمت اپنے ہاتھوں سے بنانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن اس طبقے کے پاس ان ناقابل برداشت حالات کا مقابلہ کرنے اور ان سے آزاد ہونے کے ذرائع کیا ہیں؟ ان کے پاس کلام و فکر کے حربے کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔ یہ گروہ اپنے کلام و افکار ہی کے بل بوتے پر اپنی تحریک جاری رکھتے ہیں۔

سید جمال الدین افغانی (1838-1897ء) جو اس روشن فکر طبقے کے سرگروہ ہیں' جہاں جاتے ہیں وہ مصر ہو یا ترکی' کلکتہ ہو یا ایران اپنی تحریک کا

نعرہ بلند کرتے ہیں اور اپنی بات کہتے ہیں۔ اپنی تقریروں اور تحریروں سے یورپ کی استعمار گری کے مقابلے اور بیخ کنی کے لیے تمام اسلامی دنیا کو وحدت، ایکتا اور باہمی تعاون کی دعوت دیتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. جدید فارسی شاعری کی خصوصیات کا ذکر کیجیے۔

12.4 دورۂ قاچار اور شاعروں کا ردعمل

تیرہویں صدی ہجری/انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ناصر الدین شاہ قاچار کی حکومت (1262ھ/1848ء) شروع ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ایران میں روزنامہ نویسی کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ میرزا تقی خاں امیر کبیر تہران میں دارالفنون (پولی ٹکنک) کھولتے ہیں۔ اس کالج میں خارجی اساتذہ اپنے ایرانی، شاگردوں کی مدد سے لغات ترتیب دیتے ہیں۔ سائنس، فنون، صنعت وحرفت اور فوجی امور سے متعلق کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کالج سے باہر بھی، متعدد تاریخی اور افسانوی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا جاتا ہے اور مترجم حضرات نسبتاً سادہ اور بے تکلف زبان میں کتابوں کے ترجمے کرتے ہیں۔

روشن فکر طبقے نے قدامت پسندی کے ہر مظہر کے خلاف جہاد کیا۔ ترقی پسند اور تجدد طلبی کی اس دوڑ میں وہ طبیب بھی تنقیدی نشتروں سے بچ نہ سکا جو جفر وغیرہ سے مرض کا علاج کرتا تھا۔ وہ منجم بھی زد میں آیا جو ستاروں اور ان کی حرکات سے لوگوں کی تقدیر اور مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتا۔ وہ حکما اور فلاسفہ بھی مطعون ہوئے جو رکیک توہمات میں مستغرق تھے۔ اسی کے ساتھ ایسے علما جو ابھی تطہیر کے مسئلہ ہی سے نبرد آزما تھے اس گروہ کی مخالفت کا نشانہ بنے۔

اس تحریک میں ایک عنصر جس پر شدت سے تنقید کی گئی، شاعری ہے۔ شاعری اپنی قدیم شکل وصورت اور طرز وانداز سے قدامت اور دقیانوسیت کا ایک عامل بن کر سامنے آئی۔ یہ بھی بجا طور پر محسوس کیا گیا کہ موجودہ شاعری کا مقصد محض حکومت وقت کی خدمت کرتا ہے۔ شاعری یا تو صرف جھوٹ، بے بنیاد اور اغراق آمیز خیالات کا پلندہ ہے اور یا پھر تفریح طبع اور شخصی تجمل کا ایک ذریعہ۔ اس میں جان نہیں۔ اس میں متحرک اور فعال زندگی کی ایک رمق بھی نہیں۔ اس وقت تک کی بیشتر شاعری سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یہ زندگی سے ماورا ایک مافوق الفطرت چیز ہے۔ شعرا فرصت کے لمحات میں تملق آمیز خیالات کو نظم کرتے ہیں۔ بادشاہوں، وزراء اور امرا کا دل بہلاتے ہیں اور ان کے پروپگنڈہ کا ایک وسیلہ ہیں۔ شاعری ایک پیشہ بن کر رہ گئی ہے۔ شعرا اپنی روزی کمانے کی خاطر شعر کہتے ہیں اور تعمیر وتکمیل انسانی کا شائبہ بھی ان کے ذہن ودماغ میں نہیں آتا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب قاآنی (1808-1854ء)، میرزا محمد علیسروش اصفہانی (1813-1868ء) محمود خان ملک الشعرا ((1813-1893ء) وغیرہ ایرانی شعر وشاعری کے افق کے درخشندہ ستارے تھے۔ یہ وہی شعرا تھے جنہوں نے سبک ہندی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔

اس دور کے روشن فکر اشخاص نے اپنی معاصر شاعری کی عیب جوئی اور اس پر محض اعتراض ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مطلوبہ شعر وشاعری کی خصوصیات اور لوازمات پر بھی اظہار خیال کیا اور اچھے اشعار کے نمونے بھی پیش کیے۔ میرزا فتح علی آخوندزادہ نے شعر کو عبارت سمجھا ایسے مطالب سے جن میں حسن مضمون وحسن الفاظ اور حسن بیان ہو۔ میرزا آقا خاں کرمانی یورپ کے طرز شاعری سے متاثر تھے۔ ان کا خیال ہے کہ: شعر فکر کو تنویر بخشے، خرافات کو رفع کرنے، لوگوں کے ذہن وخاطر کو بصیرت عطا کرنے، غافل لوگوں کو تنبیہ کرنے، نااہلوں کی تربیت کرنے، جہلا کو ڈرانے دھمکانے، رذائل سے پرہیز کرانے اور پاکی قلب وغیرہ فضیلتوں کی طرف متوجہ کرنے اور حب الوطنی کا وسیلہ ہے۔

حاجی زین العابدین مراغہ ای نے بھی شاعری کی نئی سمتوں کا تعین کیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اب شاعری میں زمانے کے المناک واقعات اور دردناک حادثات کا ذکر ہو جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔ زین العابدین سادہ نویسی پر زور دیتے ہیں۔ وہ ایسی زبان اور ایسے انداز بیان پر اصرار کرتے ہیں جو خاص وعام کے لیے ہو اور ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔

ترقی پسند اور روشن فکر طبقے کی مرادیں بر آئیں۔ایران کی سماجی فضا نئے اور تازہ افکار وخیالات کو گلے لگانے پر آمادہ ہوگئی۔چودھویں صدی ہجری / بیسویں صدی عیسوی کے پہلے دہے کے اختتام پر ایرانی زندگی کے مختلف سماجی اور سیاسی میدانوں میں انقلاب کی رو نظر آتی ہے۔ناصر الدین شاہ قاچار کے یکم مئی 1898ء کو قتل ہونے کے بعد چند روشن فکر بھی قتل کر دیے گئے۔ان معصوم اور بے گناہوں کا خون رنگ لایا۔ایران کے گوشے گوشے میں مشروطیت اور آزادی کے نعرے بلند ہوئے۔اب نئے نئے افکار وخیالات پر مشتمل نسبتاً مختلف باتیں کانوں میں پڑتی ہیں۔ایسے لوگوں کی تعداد بتدریج بڑھنے لگتی ہے جو ایرانی زندگی اور ایرانی مملکت کے سرنوشت سے تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔اپنے وطن اور ہم وطنوں کے لیے ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔اسی کے ساتھ جوان شعرا بھی آہستہ آہستہ اس بات کا احساس کرتے ہیں کہ اب شاعری کو مختلف مضامین، نئے ارادے اور جدید عزائم کے اظہار کا ذریعہ بننا چاہیے۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ناصر الدین شاہ قاچار کے قتل کے ساتھ ہی ایران میں درباری شاعری کا تقریباً خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. مشروطیت کیا ہے اس کے فارسی شعری ادب پر اثرات کا جائزہ لیجیے۔
2. مشروطیت کے دور کے چند اہم شعرا کا تعارف کروائیے۔
3. جدید تعلیم نے جدید فارسی شاعری پر کیا اثر ڈالا؟ بیان کیجیے۔

12.5 آئینی حکومت اور جدید شاعری کے میلانات

پانچ اگست 1906 کو ایرانی عوام کی آرزو پوری ہوئی۔مظفر الدین شاہ قاچار نے مشروطیت کی منظوری دیدی لیکن ایران میں مشروطیت کے ساتھ بے شمار سماجی دشواریاں بھی رونما ہوئیں۔بدقسمتی سے تقریباً ایک سال بعد مظفر الدین شاہ کا انتقال ہوگیا۔اس کا لڑکا محمد علی شاہ تخت نشین ہوا اور مشروطیت جو ابھی اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی، منحل کر دی گئی۔اس کے نتیجے میں آزادی خواہوں کے اعتراضات اور مشروطیت کے دوبارہ قیام کی جدوجہد نے سارے ایران کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ایران کے سماجی نظام اور سیاسی فضا کو ایک دھکا لگا۔ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔لوگوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا۔نئے ارمان جاگے، نئی امنگیں بیدار ہوئیں اور مشروطیت کی خواہش نے سارے ایران میں ایک نئی زندگی اور ایک نئے جذبے کو جنم دیا۔

شاعر اور خاص طور پر شاعروں کی جواں نسل، پوری فعالیت اور سنجیدگی سے آزادی خواہوں کی صف میں آ کھڑی ہوئی۔آزادی خواہوں میں اب شاعری بتدریج ایک موثر اور کاری ہتیار اور حربے کی صورت اختیار کر گیا۔اب شاعری کا شمار انقلاب کے لوازمات میں ہونے لگا۔شاعری ہی متحرک اور انقلابی ایرانیوں کی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار کا ذریعہ بنی۔اب ہر جگہ اور ہر انداز سے ''وطن اور ہم وطن'' ایرانی شاعری کا موضوع بحث بنے۔علی اکبر دھخدا، اشرف الدین نسیم شمال، ملک الشعرا بہار وغیرہ نے اس تحریک میں فعال اور نمایاں حصہ لیا۔ابوالقاسم لاہوتی، عارف قزوینی وغیرہ بھی اسی دور کے اہم شعرا ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے ایرانی سماج پر اجمالی بحث کیجیے۔

12.6 شعر نو میں نئے اصنافِ سخن

اب شاعر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے کسی خاص شعری شکل وصورت یا قالب پر اصرار نہیں کرتا بلکہ وہ عوام پسند شعری ہیئتوں کو ذریعہ اظہار بناتا ہے۔مستزاد، مسمط، ترجیعات وغیرہ کا از سر نو رواج ہوتا ہے۔تصنیف (Ballads) اور سرود دوسری اصناف سخن ہیں جو اس دور کے شعرا کی توجہ کا مرکز بنی ہیں۔

بہر حال یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ادبی انقلاب کے اس طوفانی دور میں ایران میں ایسے شعرا موجود تھے جو حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ کچھ تو دور دراز علاقوں میں رہتے تھے جہاں اس انقلابی دور کی مصلحتیں' اس کے تقاضے اور اس کے نتائج وغیرہ اثر نہ ڈال سکے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے ادیبانہ عقائد و خیالات میں غرق تھے اور اپنے معاصر حالات اور ان کے تقاضوں سے آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ اس وجہ سے اس گروہ اور شعرا کی جوان نسل میں کبھی نہ پر ہونے والا ایک خلا پیدا ہو گیا۔ یہی خلیج آگے چل کر ان شدید ادبی مباحث کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جو قدیم شاعری کے مدافعین اور جدید شاعری کے حامیوں کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. جدید فارسی شعرا نے کن اصناف سخن کا انتخاب کیا؟ وضاحت کیجیے۔

12.7 شعر نو اور جدید قالب شعر

1916 سے 1921 تک کے عرصے میں نیما یوشیج فارسی شاعری کے افق پر نمودار ہوتے ہیں۔ اپنی مشہور نظم ''قصہ رنگ پریں'' لکھتے ہیں۔ تقی رفعت خودکشی کر لیتے ہیں۔ جعفر خامنہ ای' میرزادہ عشقی اور خانم شمس کسمائی فارسی شاعری میں عملی تجدد طلبی کی بحث میں شامل ہوتے ہیں۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ شعرا ہیں جو فارسی شاعری کو نئی سمتوں اور جدید افکار و خیالات سے حقیقی طور پر آشنا کرتے ہیں۔ موضوع شعر اور شعر کی شکل و صورت (قالب) کے سلسلے میں نئے تجربے کرتے ہیں۔

اسی دوران عظیم مستشرق اڈورڈ براؤن اپنی اہم تالیف ''ایرانیوں کے درمیان ایک سال'' مکمل کرتے ہیں۔ اس میں براؤن بھی قدیم شاعری کے ناعاقبت اندیش حامیوں کے عقائد کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''محققین کا ایک گروہ معتقد ہے کہ شاعرانہ ذوق و استعداد گذشتہ ایران سے مربوط ہے' شاید اس سے بڑی کوئی غلطی نہ ہو۔''

جعفر خامنہ ای نے غالباً پہلی بار چہار پارہ کی شکل میں شعر کہے جو شکل و صورت اور زبان و اسلوب کے لحاظ سے بالکل نئے تھے۔ خامنہ ای کا ایک مختصر قطعہ ''بہ وطن'' ہیئت کے اعتبار سے قابل توجہ ہے۔ اسلوب بیان اور طرز شاعری کے لحاظ سے اس قطعے میں متقدم شعرا کی طرز و روش سے انحراف کیا گیا ہے۔

1921ء میں خانم شمس کسمائی نے اپنی نوعیت کا ایک انوکھا قطعہ شائع کیا۔ شاید یہ پہلی کوشش ہے جس میں نہ وزن ہے اور نہ قافیہ' یہ قطعہ اگرچہ یورپ کے کسی شعری اسلوب کی تقلید ہے' لیکن فارسی شاعری میں تجدد طلبی کی روح کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس قطعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی شاعر کے ارادے کیا تھے۔

اس کے دو سال بعد 1923 میں نیما یوشیج نے اپنی جدید نظم افسانہ لکھی۔ اس نظم کا شائع ہونا تھا کہ جدید فارسی شاعری کو انقلاب' تبدیلی اور تجدد کے میدانوں میں حقیقی رہنمائی میسر آئی۔ شاعری کے میدان میں نئے نئے اور انوکھے تجربے کیے گئے۔ افسانہ اتنی مقبول ہوئی کہ اس کی اشاعت کے فوری بعد مختلف شعرا نے اس کی تقلید میں نظمیں لکھیں اور ادبی نقاد اس کی تعریف و توصیف میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

نیما یوشیج کو خود ان کے مخالف بھی شعر نو کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حقیقت ہے بھی یہی۔

12.8 شعر نو کے برگزیدہ شاعر

نیما یوشیج نے شعر کے قدیم قواعد اور ضوابط کو تبدیل کیا۔ دوسرا اہم قدم جو نیما نے فارسی شاعری کی مسلسل اکتا دینے والی یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے اٹھایا وہ یہ تھا کہ شاعری کو مصنوعی قافیہ کی قید و بند سے آزاد کرایا۔ اس کے علاوہ نیما یوشیج کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ایرانی شاعر کی قوت ادراک میں

وسعت پیدا ہوئی۔ شاعر نے اپنی شخصی وقعت و اہمیت کو سمجھا' اپنے شخصی اور ذاتی تجربات و مشاہدات کو بیان کرنے کی مزید جرات پیدا کی۔ خیالی تصویر سازی میں ایک انقلاب اور ہمہ جہتی وجود میں آئی۔ اب شاعر نے قدرت (نیچر) کے متنوع تاثر کو اپنے افکار میں جگہ دی۔

نیما یوشیج فارسی شاعری کے قدیم قالبوں سے مطمئن نہیں۔ وہ ان میں ترمیم و تنسیخ کے قائل و حامی ہیں۔ لیکن ایسی تبدیلی جو جدید فارسی شاعری کو قدیم فارسی شاعری سے اجنبی نہ بنا دے بلکہ ان میں ایک رابطہ اور تعلق برقرار رہے۔ وزن نیما کے لیے اہم ہے' اس سے احتراز ممکن نہیں' لیکن قافیہ فروعی چیز ہے' جس کی رعایت حتمی نہیں۔ نیما نے شخصی اور ذاتی ادراک و تجربات کے بیان کو شعر کہا ہے۔ نیما کے لیے الفاظ' اسلوب بیان' فصاحت و بلاغت اور وزن و قافیہ صرف اس کے ذاتی ادراک اور شخصی بینش کے اظہار کا ذریعہ ہیں' وسیلہ ہیں۔ اصل چیز اور شعر کی بنیاد شاعر کی شخصی فہم و ادراک اور اس کا اپنا احساس ہے۔ اس کی نظر میں بہتر شاعر وہ ہے جو خود کو بہتر ڈھنگ سے پہچانتا ہو اور اپنے ذہن و فکر کی ایمانداری سے ترجمانی کر سکتا ہو۔ نیما کا دوسرا بڑا کارنامہ اس قاعدے سے روگردانی ہے کہ دو مصرعے وزن کے لحاظ سے برابر ہوں۔ شعر نو اور قدیم فارسی شاعری میں یہ فرق سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ جدید فارسی شاعری میں ایک شعر کے دو مصرعوں کے وزن کا برابر ہونا لازمی قرار نہیں دیا جاتا۔ لیکن یہ دو مصرعے وزن کی رو سے مساوی نہ سہی' البتہ دونوں کسی نہ کسی بحر اور وزن کے مطابق ہوتے ہیں۔

منوچہر شیبانی' احمد شاملو' لومھدی اخوانِ ثالث (م۔امید)' منوچہر آتشی' فروغ فرخزاد' محمود آزاد' محمد علی سپانلو' سہراب سپہری' یداللہ رویائی وغیرہ وہ چند معروف شعرا ہیں جنہوں نے نیما کی پیروی اور مکتبِ نیما کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔

12.10 شعر موج نو و انداز تمثیلی

یہ جدید ترین تحریک ہے جو فارسی شاعری میں شعر نو کے بعد وجود میں آئی۔ احمد رضا احمدی کا انتخاب کلام 'طرح' 1962ء میں شائع ہوتا ہے اور اس تحریک کی بنیاد پڑتی ہے۔ شعر موج نو کا مقصد تمثیلی (Symbolic) شاعری ہے اور عام طور پر نیما کے شعر نو سے انحراف کو شعر موج نو سمجھا جاتا ہے۔

شعر نو میں بھی تمثیلی عوامل کی بہتات ہے' لیکن شعر موج نو میں تمثیلی شاعری' ابہام اور الفاظ کے دور از کار مطالب و مفاہیم کے لحاظ سے اپنی انتہا کو پہنچی ہے۔ اس تحریک میں شامل شعرا' شعر میں ہر قسم کے قواعد و ضوابط سے گریز کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ شعرا ایک لفظ کو انتہائی برمعنی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کا ذہن ایک لفظ کے مفہوم کے لیے متداول لغتوں میں الفاظ کے بیان شدہ مطالب تک محدود نہیں رہتا۔ ایرانی ادبا و شعرا کے بقول اس تحریک کا مقصد شاعری میں بے راہ روی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر موج نو میں شاعر اپنے احساسات اور بینش کو ایسے الفاظ و کلمات میں مجسم کرتا ہے کہ پڑھنے والا ان سے بہت سی مختلف قیاس آرائیاں کر سکتا ہے۔ موج نو کے حامی شعرا ایسے انتہا پسند فنکاروں پر مشتمل ہیں جو بزعم خود ایک دو سال کے مختصر عرصے ہی میں مراحل کمال طے کر کے اپنے عروج پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کلام میں جس قدر پیچیدگی' ابہام اور لفظی و معنوی معمے ہوں گے شعر میں اسی قدر پختگی پیدا ہوگی۔ اس تحریک کے حامی شعرا کی تعداد زیادہ نہیں اور ایران میں یہ انداز کوئی خاص مقام پیدا نہیں کر سکا۔ بشرن الٰہی' محمد رضا اصلانی' شاھرخ صفائی' شہرام' شاھرخ تابش' فریدون معزی مقدم' م نوفل' محمد رضا فشاھی' عظیم خلیلی' مجید نفیسی وغیرہ اس تحریک کے اہم شعرا مانے جاتے ہیں۔

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

1. شعر نو کی تعریف کیجیے۔
2. شعر نو کے بانی نیما یوشیج کی شاعری پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. شعر نو کی مخالفت کے اسباب بیان کیجیے۔
4. قدیم فارسی شاعری اور شعر نو میں فرق کی وضاحت کیجیے۔

5. آیا شاعری میں دونوں مصرعوں کا یکساں طور پر ہم وزن ہونا مناسب ہے یا نہیں؟ اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔

6. موج نو سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

7. شعر نو اور شعر موج نو میں بنیادی فرق کی وضاحت کیجیے۔

12.11 سفارش کردہ کتابیں

1. ادبیاتِ معاصر ایران — رشید یاسمی، تہران 1316 ش
2. از صبا تا نیما: — یحیی آرین پور (جلد 1-2) تہران، چاپ دوم، 1350 ش
3. برگزیدۂ شعر فارسی معاصر: — منیب الرحمان (جلد 1-2) دہلی 1958-1963
4. تاریخ ادبیات فارسی: — رضازادہ شفق، تہران 1337 ش
5. تاریخ بیداری ایرانیاں: — محمد ناظم الاسلام کرمانی، تہران
6. شعر جدید فارسی: — مترجم دکتر فتح اللہ مجتبائی، تہران 1334 ش
7. صور و اسباب در شعر امروز ایران: — اسماعیل نوری علاء، تہران 1348 ش
8. جدید فارسی شاعری: — ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی 1977

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

نصاب

ایم اے اُردو (فاصلاتی تعلیم)

سال اول :

پہلا پرچہ	غزل، قصیدہ اور رباعی
دوسرا پرچہ	مثنوی، مرثیہ اور نظم
تیسرا پرچہ	اردو زبان و ادب کی تاریخ
چوتھا پرچہ	فارسی اور ہندی

سال دوم :

پانچواں پرچہ	ادبی تنقید
چھٹا پرچہ	ترجمہ نگاری اور ابلاغیات
ساتواں پرچہ	داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما
آٹھواں پرچہ	غیر افسانوی ادب (خاکہ نگاری/ انشائیہ سوانح/ خطوط نویسی/ طنز و مزاح)

چوتھا پرچہ : فارسی اور ہندی

فارسی :

اکائی	1	معرفی زبان و اسم
اکائی	2	ضمیر و اقسام ضمیر
اکائی	3	فعل و اقسامِ فعل بہ لحاظ زمانۂ ماضی
اکائی	4	زمانۂ حال و مستقبل اور اضافت
اکائی	5	ادبیاتِ فارسی نثر قدیم و جدید
اکائی	6	غزل
اکائی	7	رباعی
اکائی	8	جدید نظم
اکائی	9	تاریخ ادبیات دورۂ ساسانیاں
اکائی	10	سامانی دور کا فارسی ادب
اکائی	11	جدید فارسی نثر
اکائی	12	جدید فارسی شاعری

ہندی :

اکائی	1	ہندی حروف تہجی
اکائی	2	ہندی حروف تہجی لکھنے کا طریقہ
اکائی	3	ہندی الفاظ کی جانکاری
اکائی	4	قواعد
اکائی	5	جملے لکھنے کا طریقہ
اکائی	6	ترجمہ
اکائی	7	مضمون نگاری
	7.1	بھارت ورش کی انتی کیسے ہو سکتی ہے؟
	7.2	گھر اور باہر
اکائی	8	کہانیاں
	8.1	پرماتما کا کُتا 8.2 واپسی
اکائی	9	شاعری
	9.1	دوہے۔ کبیر 9.2 گُکرمتا ۔ نرالا
		ہندی ادب کی مختصر تاریخ
اکائی	10	ہندی ادب کی تقسیم ادوار اور ان کے نام
اکائی	11	آدی کال یا ویرگاتھا کال
اکائی	12	بھکتی کال
اکائی	13	ریتی کال یا شرینگار کال
اکائی	14	آدھونک کال